بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الثانی من المأتین علی المنحرف عن الثقلین

موسوم بہ

تقیہ کی حقیقت

از

حجۃ الاسلام امام اہلسنت حضرت مولانا محمد عبد الشکور فاروقی

نور اللہ مرقدہ

Darul Tehqeeq wa Difa-e-Sahaba
دار التحقیق و دفاع صحابہ
www.sunnilibrary.com

ناشر:-

مکتبۂ فاروقیہ: ۲۶/۵ دریائی ٹولہ لکھنؤ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نامِ کتاب ________ تقیہ کی حقیقت

مصنّف ________ حجۃ الاِسلام امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ

کتابت ________ عبدالسمیع قاسمی بارہ بنکوی

طباعت ________

صفحات ________ ۱۱۲

سن طباعت ________ ۱۹۹۰ء

تعداد ________ ایک ہزار

باہتمام ________ عبدالعلیم فاروقی

قیمت ۲۰ روپے

شائع کردہ

مکتبہ فاروقیہ ۵/۲۲۰ دریائی ٹولہ لکھنؤ

عرضِ ناشر

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اور ان کی علمی خدمات کسی تعارف اور تبصرے کی محتاج نہیں ہیں حضرت اقدس نے امت کی خیر، عقیدوں کی اصلاح اور اہلِ سنت وجماعت کی نصرت وحمایت کے لیے جو جو مساعی فرمائی ہیں وہ اپنی آپ مثال ہیں۔

زیرِ نظر کتاب امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت معرکۃ الآرا تحقیقات کا مجموعہ ہے جو ۱۳۴۵ھ میں "النجم" کے صفحات پر خود حضرت والا کی سرپرستی میں شائع ہوا تھا۔

یوں تو اصولی طور پر مذہبِ شیعہ کی تردید اور اس مذہب کی اصل حقیقت جاننے کے لیے مسئلہ تحریف، ومسئلہ امامت کافی ہے جس کا متعدد جگہوں پر امام حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنی تحریروں میں اظہار کیا ہے۔ لیکن اس مذہب کے فروع اور دیگر مسائل بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہیں۔ النجم کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موصوف نے دو سو مسائل کا انتخاب فرمایا اور ہر مسئلہ کو اس کی ضروری تفصیلات کے ساتھ الگ الگ اجزا میں تقسیم فرمایا جس کا عنوان "مائتین" قرار دیا۔ اور اس وقت کے مذاق کے

مطابق ہر نمبر کا اس طرح عنوان بنایا " الاول من المائتین، الثانی من المائتین" وغیرہ۔ اب ہم نئی ترتیب کے ساتھ بغیر کسی ایک حرف کی تبدیلی کے منظرِ عام پر لانا چاہتے ہیں۔ اور اللہ کے بھروسہ پر ہمنے اپنی تمامتر بے بضاعتی کے باوجود اپنی نیت کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے اور زیرِ نظر رسالہ جو "الثانی من المائتین علی المنحرف عن الثقلین ملقب بہ تحذیر المسلمین عن خداع الکاذبین" کے نام سے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوا تھا، جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مذہبِ شیعہ میں جھوٹ بولنا سب سے بڑی عبادت ہے جس سے کوئی شیعہ خالی نہیں ہو سکتا۔ اب اس کو مکتبہ فاروقیہ کی طرف سے "تقیہ کی حقیقت" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ ان شاء اللہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہو گا۔

امّید ہے کہ اہل سنت وجماعت اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اس کتاب کو گھر گھر پہونچانے کی کوشش کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہوئی تو آئندہ جلد ہی اس سلسلہ کے دوسرے اہم مضامین پیش کرنے کی سعادت حاصل کیجائیگی۔ وَبِاللهِ التَّوفِيقُ۔

آغازِ مقصود

غالبًا اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جھوٹ ایک ایسی بری نجاست ہے جس کو دنیا میں آج تک کسی انسان نے اچھا نہیں سمجھا اہل مذہب اور لامذہب سب اس سے نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ بت پرست بھی اس کو نہایت برا جانتے ہیں۔ جھوٹ بولنا سب کے نزدیک نہایت ذلیل کام ہے بقول حضرت سعدی ؎

دروغ اے برادر مگو زینہار ؎ کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

لہٰذا جس مذہب میں جھوٹ بولنا اعلیٰ ترین عبادت قرار دیا گیا ہو اس مذہب کے باطل ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ اور اس مذہب کے لوگ اگر کسی بات کی خبر دیں کوئی روایت بیان کریں اس پر کون اعتبار کر سکتا ہے۔

اگر جھوٹ بولنے کو بوقت ضرورت شدید جائز کہا جائے تو اس میں عقلاً و عرفاً چنداں[1] قباحت نہیں کیونکہ جائز اس چیز کو کہتے ہیں جس کے کرنے میں ثواب بھی نہ ہو گناہ بھی نہ ہو۔ مگر جب جائز سے ترقی کر کے اس کو فرض وواجب کہا جائے

[1] یعنی عوام کیلئے ضرورت شدید کے وقت جھوٹ بولنا معیوب نہیں خواص کیلئے ایسے وقت میں بھی معیوب ہے ۱۲ منہ

اس کو عبادت کہا جائے تو یقیناً عقل سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتی۔

اب میں دکھاتا ہوں کہ صفحۂ ہستی پر ایک نرالا اور انوکھا مذہب شیعوں کا ہے جس میں جھوٹ بولنا نہ صرف جائز و مباح بلکہ اعلیٰ درجہ کا فرض اعلیٰ درجہ کی عبادت قرار دیا گیا ہے۔

شیعوں کی مذہبی کتابوں میں چار کتابیں بہت معتبر و مستند مانی گئی ہیں۔ کافی، تہذیب الاحکام، استبصار، من لایحضرہ الفقیہ۔ ان چار کتابوں کو شیعہ اصول اربعہ کہتے ہیں۔ ان چار میں بھی کافی کا رتبہ سب سے زیادہ ہے کافی کے مصنف محمد بن یعقوب کلینی ملقب بہ ثقۃ الاسلام ہیں۔ کلین بروزن امیر ایک مقام کا نام ہے جو رَیْ کے قریب ہے۔ یہ بزرگ وہیں کے رہنے والے ہیں اسلئے ان کو کلینی کہتے ہیں۔ یہ بزرگ شاگرد ہیں علی بن ابراہیم قمی کے اور وہ شاگرد ہیں گیارہویں امام حسن عسکری کے۔ کافی کے مصنف نے بقول شیعہ امام غائب کی غیبت صغریٰ کا زمانہ پایا ہے جب کہ امام کے اور شیعوں کے درمیان میں پیغام و سلام کا سلسلہ قائم تھا امام کے سفیر شیعوں کے پاس آتے جاتے تھے۔ آخری سفیر ابو الحسن تھا جو ۳۲۹ھ میں مرا۔ اس کے مرنے کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہو گئی یعنی اب امام کے پاس سے کوئی نامہ و پیغام شیعوں کو نہیں آتا۔ محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی یہ کتاب کافی اس آخری سفیر کے ذریعہ سے امام غائب کے پاس غارِ سرمن رأے میں بھیجی اور کہلا بھیجا کہ حضور میں نے آپ کے آبائے کرام کی حدیثیں اس کتاب میں جمع کی ہیں اگر کوئی روایت اس میں صحیح نہ ہو تو حضور والا اس کی اصلاح کر دیں۔ امام ممدوح نے اس کتاب کو اول سے آخر تک دیکھ کر فرمایا ھٰذَا کَافٍ لِشِیْعَتِنَا یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ اسی وجہ سے اس کتاب کا نام کافی رکھا گیا۔ کافی کی پانچ جلدیں ہیں پہلی جلد کا نام اصول کافی ہے اس میں عقائد

و اخلاق کا بیان ہے اور تین جلدوں کا نام فروع کافی اور آخری جلد کا نام روضہ کافی ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ انھیں چار کتابوں کی اور زیادہ تر کتاب کافی کی روایتیں پیش کی جائیں گی۔

اصول کافی میں ایک خاص باب ہے جس کا نام باب التقیہ ہے اس باب میں جھوٹ بولنے کے فضائل اس کی تاکید کی حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہے چند حدیثیں اس باب کی حسب ذیل ہیں۔

پہلی حدیث عن ابن ابی عمیر الاعجمی قال قال لی ابو عبد اللّٰہ علیہ السّلام یا ابا عمیر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہٗ والتقیۃ فی کل شیئ الا فی النبیذ والمسح علی الخفین

ابن ابی عمیر اعجمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دین کے نو حصے منجملہ دس کے تقیہ میں ہیں اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کے پاس دین نہیں ہے اور تقیہ ہر چیز میں ہے سوا نبیذ پینے کے اور موزوں پر مسح کرنے کے۔

اصول کافی ص۴۸۲

ف:۔ امام جعفر صادق کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا اتنی بڑی عبادت ہے کہ کل دین کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے جھوٹ بولنے میں ہیں ایک حصہ باقی عبادات میں ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہو نماز، روزہ اور کسی عبادت سے اس کو سروکار نہ ہو دین کے نو حصہ اس کے پاس ہیں ایک حصہ نشد نشد۔ اور اگر کوئی کم بخت نماز روزہ اور تمام عبادات کا پابند ہو مگر جھوٹ نہ بولتا ہو وہ دین کے نو حصوں سے محروم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹ نہ بولنے والا بے دین ہے۔ اس سے زیادہ جھوٹ بولنے کی فرضیت و فضیلت کیا ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ حدیث میں تو تقیہ کے فضائل بیان ہو رہے ہیں نہ جھوٹ

بولنے کے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آگے چل کر اسی کتاب کافی سے امام معصوم کے ارشاد سے ثابت کر دیں گے کہ تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے ہی کے ہیں.

حدیث مذکور میں ایک تعجّب انگیز بات یہ ہے کہ ہر معاملہ میں جھوٹ بولنے یا تقیہ کرنے کی اجازت ہے یہاں تک کہ خدا کے ساتھ شرک کرنا ائمہ کی تکذیب کرنا بھی تقیہ میں درست ہے مگر نبیذ پینا اور موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں کیا نبیذ پینا اور موزوں پر مسح کرنا شرک باللہ اور تکذیب ائمہ معصومین سے بھی بڑھ کر گناہ ہے. اسکی وجہ ایک سمجھدار آدمی زیادہ سے زیادہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ چونکہ نبیذ[1] پینا اور موزوں پر مسح کرنا اہل سنت کے نزدیک درست ہے اور ان کے خصوصیات سے مشہور ہو گیا ہے اس لیے تقیہ میں بھی اس کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ سنیوں کی مخالفت کرنا بڑا ثواب ہے مگر اس کی ایک نہایت عمدہ وجہ شیخ ابو جعفر طوسی نے اپنی کتاب استبصار میں بیان فرمائی ہے کتاب استبصار بھی اصول اربعہ میں ہے شیخ صاحب نے سب سے پہلے موزوں پر مسح کرنیکی بحالت تقیہ اجازت نقل فرمائی ہے اور اسی کو فرقہ شیعہ کا معمول بہ قرار دیا ہے. فرماتے ہیں:۔

عن ابی الورد قال قلت لابی جعفر علیہ السّلام ان اباظبیان حدثنی انہٗ رایٰ علیًّا علیہ السّلام اراق الماء ثم مسح علی الخفین فقال کذب ابوظبیان اما بلغک قول علی علیہ السلام فیکم سبق کتاب الخفین فقلت	ابو الورد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام باقر علیہ السلام سے کہا کہ ابوظبیان نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے علی علیہ السلام کو دیکھا کہ انھوں نے پانی بہایا. یعنی وضو کیا پھر موزوں پر مسح کیا تو امام باقر نے فرمایا کہ ابوظبیان جھوٹ کہتا ہے کیا تم کو علی علیہ السلام کے اس قول کی خبر نہیں کہ آپ نے فرمایا کتاب اللہ سے مسح خفین کی

[1] نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں جس میں چھوہارے وغیرہ بھگو دیئے جائیں کہ ان کی تاثیر یعنی پانی میں آجائے جبتک اس میں نشہ نہ پیدا ہو اس کا استعمال درست ہے جب نشہ پیدا ہو جائے تو قطعًا حرام ہے ۔ ۱۲۔

فقلت فہل فیہما رخصۃ فقال لا الا من عدوٍ تتقیہ او ثلج تخاف علی رجلیک. ص ۳۹	تکذیب ہوتی ہے تو میں نے کہا کہ آیا موزوں پر مسح کرنیکی اجازت کسی طرح ہو سکتی ہے امام نے فرمایا نہیں سوا اس صورت کے کہ کسی دشمن کا خوف ہو یا پیروں پر برف گرنے کا اندیشہ ہو.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح کرنے میں بھی تقیہ ہے اس کے بعد حسب ذیل روایت ہے.

عن زرارۃ قال قلت لہٗ ہل فی مسح الخفین تقیۃ فقال ثلثۃ لا اتقی فیہن احدًا شرب المسکر ومسح الخفین ومتعۃ الحج ج ۳۹	زرارہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام باقر سے کہا کیا موزوں پر مسح کرنا از راہ تقیہ ہو سکتا ہے امام نے فرمایا کہ تین چیزوں میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا مسکر کا پینا اور موزوں پر مسح کرنا اور متعۃ الحج.

اس روایت میں اصول کافی کی روایت سے ایک چیز یعنی متعۃ الحج کا اضافہ ہے. اس کے بعد شیخ صاحب اپنا فیصلہ حسب ذیل الفاظ میں رقم فرماتے ہیں۔

فلاینافی الخبر الاول لوجوہ احدہا انہ اخبر عن نفسہ انہ لایتقی فیہ احدًا ویجوز ان یکون انما اخبر بذٰلک لعلمہ بانہ لایحتاج الی مایتقی فیہ فی ذٰلک ولم یقل لا تتقوا انتم فیہ احدًا وہٰذا وجہ ذکرہ زرارۃ بن اعین والثانی ان یکون اراد لا اتقی فیہ احدًا فی الفتیا بالمنع من جواز المسح علیہما	یہ روایت پہلی روایت کے خلاف نہیں ہے بچند وجہ اول یہ کہ امام نے اپنا حال بیان فرمایا ہے کہ میں ان تین چیزوں میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا ممکن ہے کہ یہ انہوں نے اس لیے فرمایا ہو کہ ان کو علم ہو گا کہ ان امور میں ان کو تقیہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی امام نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ بھی ان امور میں کسی سے تقیہ نہ کرو یہ مطلب حدیث کا زرارہ بن اعین نے بیان کیا ہے دوم یہ کہ امام نے یہ مراد لی ہو کہ میں ان امور کے متعلق ممانعت کا فتویٰ دینے میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا نہ یہ کہ عمل

دون الفعل لان ذلك معلوم من
مذهبه فلا وجه لاستعمال التقية
فيه والثالث ان يكون اراد
لا اتقی فيه احدا اذا لم يبلغ
الخوف على النفس او المال وان
لحقه ادنى مشقة احتمله وانما
يجوز التقية في ذالك عند الخوف
الشديد على النفس او المال ص۳۹

میں تقیہ نہیں کرتا کیونکہ ان امور میں امام کا مذہب
سب کو معلوم تھا لہٰذا ان امور میں تقیہ کرنا بے سود تھا
سوم یہ کہ امام نے یہ مراد لیا ہو کہ میں ان امور میں کسی سے
تقیہ نہیں کرتا جب تک خوف جان یا مال کا نہ ہو کچھ
تھوڑی سی مشقت ہو تو اس کو برداشت کر لیتا ہوں
کیونکہ ان امور میں تقیہ اسی وقت جائز
ہے جب کہ خوف شدید جان یا مال
کا ہو۔

شیخ صاحب نے تین تاویلیں کیں پہلی تاویل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسئلہ تقیہ میں پیشوایان دین اور عوام الناس میں کچھ فرق شیعہ بھی مانتے ہیں یہ بات آئندہ کام آئے گی۔ دوسری تاویل سے یہ معلوم ہوا کہ ائمہ مذہبی فتووں میں بھی تقیہ کیا کرتے تھے اس کو ہم نمبر دوم میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ تیسری تاویل سے یہ معلوم ہوا کہ تقیہ میں خوف جان و مال کی شرط نہیں ہے یہ خوف صرف انھیں تین چیزوں کے لیے شرط ہے لہٰذا جو شیعہ گھبرا کر یہ کہدیا کرتے ہیں کہ تقیہ ہمارے یہاں ہر وقت جائز نہیں بلکہ جان یا مال کا خوف شدید ہو اس وقت کے لیے ہے یہ کہنا ان کا محض غلط ہے۔

دوسری حدیث عن ابی بصیر
قال قال ابو عبد الله علیه السلام
التقیة من دین الله قلت
من دین الله قال ای والله من دین
الله ولقد قال یوسف ایتها

ابو بصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں امام جعفر صادق
علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کا دین ہے میں نے
(تعجب سے) کہا کہ اللہ کا دین ہے امام نے فرمایا ہاں خدا
کی قسم اللہ کا دین ہے بہ تحقیق یوسف پیغمبر نے
کہا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو حالانکہ اللہ کی قسم

العیر انکم لسارقون والله ما
کانوا سرقوا شیئا ولقد قال
ابراهیم انی سقیم والله ما
کان سقیما۔ اصول کافی ص۴۸۳

انھوں نے کچھ چرایا نہ تھا اور بہ تحقیق ابراہیم
پیغمبر نے کہا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ
اللہ کی قسم وہ بیمار نہ تھے۔

ف: تقیہ کے مبحث میں تین امور تحقیق طلب ہیں اوّل یہ کہ تقیہ کا حکم مذہب شیعہ میں کیا ہے آیا وہ صرف جائز و مباح کہا گیا ہے یا فرض و واجب قرار دیا گیا ہے تو یہ بات پہلی ہی حدیث سے ظاہر ہو گئی اور ابھی اور احادیث بھی اسکے متعلق آئیں گی۔ دوم یہ کہ تقیہ کے معنی از روئے مذہب شیعہ کیا ہیں یہ بات اس دوسری حدیث سے ظاہر ہو رہی ہے کیونکہ امام فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے چوری نہیں کی تھی اس کو چور کہا گیا یہ تقیہ ہے ایک شخص بیمار نہ تھا اس نے اپنے کو بیمار کہا اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور اسی کو تمام دنیا جھوٹ کہتی ہے پس معلوم ہوا کہ تقیہ کے معنی ہیں جھوٹ بولنا اور دوسری احادیث اور ائمہ کے تقیہ کرنیکے مواقع کے دیکھنے کے بعد تقیہ کی کامل و مکمل تعریف یہ معلوم ہوتی ہے کہ جھوٹ بولنا یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی قول یا فعل کرنا۔ لہٰذا جب امام معصوم کے ارشادات سے تقیہ کے معنی معلوم ہو گئے تو اب کسی مجتہد کو اپنی طرف سے تقیہ کے معنی بیان کرنے کا حق نہ رہا سوم یہ کہ شرائط تقیہ کے کیا ہیں تو اگرچہ استبصار کی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ سوا تین چیزوں کے اور کسی شی میں تقیہ کرنے کے لیے جان یا مال کے خوف کی شرط نہیں ذرا ذرا سی معمولی ضرورتوں میں بھی تقیہ کا حکم ہے لیکن اب قول معصوم سے بھی اس کو سنیے:۔

تیسری حدیث عن زرارة عن
ابی جعفر علیه السلام قال التقیة

زرارہ امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے
ہیں کہ انھوں نے فرمایا تقیہ ہر ضرورت میں ہے

فِي كُلِّ ضَرُورَةٍ وَصَاحِبُهَا أَعْلَمُ بِهَا حِينَ تَنْزِلُ بِهٖ ۔ اصول کافی ص۴۸۴

اور جس کو ضرورت لاحق ہوتی ہے وہ اس ضرورت سے خوب واقف ہوتا ہے۔

ف:۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ تقیہ کے لیے خوف شدید کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ضرورت میں کرنا چاہیے ضرورت کی تعیین وتحدید بھی شریعت کی طرف سے نہیں کی گئی بلکہ صاحب ضرورت کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جن تین امور کی تحقیق بحث تقیہ میں ضروری تھی ان کے متعلق تین احادیث نقل ہو چکیں مگر ابھی دو تین احادیث اور بھی نقل کی جاتی ہیں۔

چوتھی حدیث عن معمر بن خلاد قال سالت ابا الحسن علیہ السلام عن القیام للولاۃ فقال قال ابو جعفر علیہ السلام التقیۃ من دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔ اصول کافی ص۴۸۴

معمر بن خلاد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام ابوالحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ حکام وقت کی اطاعت کا کیا حکم ہے انھوں نے کہا کہ امام باقر علیہ السلام فرماتے تھے تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا ایمان ہی نہیں۔

ف:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ائمہ کا دین تقیہ تھا یعنی ہر امام تقیہ کیا کرتے تھے اور تارکِ تقیہ بے ایمان ہے۔

پانچویں حدیث عن مسعدۃ بن صدقۃ قال قیل لابی عبد اللہ علیہ السلام ان الناس یروون ان علیا علیہ السلام قال علی منبر الکوفۃ ایھا الناس انکم ستدعون الی سبی

مسعدہ بن صدقہ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا گیا کہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ اے لوگو تم سے کہا جائے گا کہ تم مجھے گالی دو تو تم مجھے گالی دے دینا پھر تم سے کہا جائے گا کہ مجھ سے تبرا کرو تو تبرا نہ کرنا امام نے فرمایا

فسبونی ثم تدعون الی البراءۃ منی فلا تبرؤا منی فقال ما اکثر ما یکذب الناس علی علی علیہ السلام ثم قال انما قال ستدعون الی سبی فسبونی ثم تدعون الی البراءۃ منی وانی لعلی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولم یقل ولا تبرؤا منی۔ اصول کافی ص۴۸۴

کہ لوگ علی علیہ السلام پر بہت جھوٹ جوڑتے ہیں انہوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ لوگ تم سے کہیں گے کہ مجھے گالی دو تو تم مجھے گالی دیدینا پھر تم سے کہیں گے کہ مجھ سے تبرا کرو حالانکہ میں دین محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ہوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تبرا نہ کرنا۔ اصول کافی ص۴۸۴

ف:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ میں حضرت علی کو گالی دینا اور ان سے تبرا کرنا بھی درست ہے اور جو لوگ اس کے خلاف روایت کرتے تھے امام نے ان کو جھوٹا کہا۔ انھیں تعلیمات نے یہ رنگ دکھلایا کہ شیعوں نے پابند تقیہ ہو کر حضرت امام حسینؓ کو شہید کر دیا۔

چھٹی حدیث کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں کہ وہ بھی اصول اربعہ میں ہے صوم یوم شک کے بیان میں روایت ہے۔

قال الصادق علیہ السلام لو قلت ان تارک التقیۃ کتارک الصلوۃ لکنت صادقا وقال علیہ السلام لا دین لمن لا تقیۃ لہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ تارک تقیہ مثل تارک نماز کے ہے تو میں اس قول میں سچا ہوں گا نیز امام ممدوح نے فرمایا کہ جو شخص تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے۔

ف:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے ویسا ہی تقیہ بھی فرض قطعی ہے اور اتنی بات تقیہ میں زیادہ ہے کہ تقیہ نہ کرنے والا بے دین ہے۔ تقیہ

کے متعلق تینوں باتیں صاف ہوگئیں یعنی تقیہ کا حکم کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اعلیٰ درجہ کا فرض ہے اور یہ کہ تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کسی قول وفعل کے مرتکب ہونے کے ہیں۔ اور یہ کہ تقیہ کے لیے نہ ضرورتِ شدیدہ کی شرط ہے نہ خوفِ جان ومال کی لہٰذا اب اور احادیث نقل کرنا تطویل لاطائل ہے پھر ان امور پر مزید روشنی آگے آئیگی جہاں ائمہ معصومین کا طرزِ عمل ان کے تقیہ کرنے کے مواقع بیان کیے جائیں گے۔

شیعوں کے جوابات

مذہب شیعہ کا یہ راز کہ ان کے یہاں جھوٹ بولنا اپنے اعتقاد کے خلاف کام کرکے لوگوں کو دھوکا دینا بڑی عظیم الشان عبادت ہے مدتوں تک ایسا پوشیدہ رہا کہ ہمارے علمائے سابقین کو اس کی خبر نہ ہوئی اسی وجہ سے ہمارے اکابر محدثین نے بعض شیعہ راویوں سے روایتیں لے لیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں جابجا دیکھنے میں آتا ہے کہ فلاں راوی شیعہ تو ہے مگر اس کے سچ ہونے پر کوئی جرح نہیں ہوئی اگر ہمارے محدثین ومتقدمین کو مذہب شیعہ کا یہ راز معلوم ہوتا تو کبھی ایسا نہ لکھتے اور سمجھ لیتے کہ تشیع اور کذب لازم و ملزوم ہیں۔

حضرت امام شافعی نے جو بعض شیعوں کی نسبت فرمایا لَا تجالسوهم ولا تكلموهم فانهم اكذب الناس. یعنی ان کے ساتھ نشست وبرخاست نکرو ان سے ہمکلام نہ ہو کیونکہ وہ بڑے جھوٹے لوگ ہیں یا حضرت امام مالک نے شیعان کوفہ کے متعلق فرمایا کہ ان کے پاس روایت بنانے کی ٹکسال ہے رات کو ڈھالتے ہیں اور دن کو چلا دیتے ہیں یضربونہا

بِاللَّيلِ وَيُنفِقُونَهَا بِالنَّهَارِ ان ارشادات کا اثر انھیں خاص لوگوں پر پڑا یہ نہیں سمجھا گیا کہ اس مذہب کا خاصہ لازمہ کذب ہے کوئی فرد اس مذہب کا کذب سے خالی نہیں ہوسکتا۔

بہرکیف صدیوں کے بعد جب یہ راز طشت از بام ہوا اور شیعوں کو محسوس ہوا کہ تمام مخلوق ہمارے مذہب کے اس رکن اعظم کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے تو انھوں نے طرح طرح کی کوششیں اس عیب کے چھپانے میں کیں مختلف جوابات مختلف اشخاص نے دیے جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جہاں تک میں نے مجتہدین شیعہ کی تصنیفات اس مبحث میں دیکھیں ان کی ساری کوششوں کا ماحصل تین جوابوں میں منحصر پایا. جو حسب ذیل ہیں

شیعوں کا پہلا جواب:۔ یہ کہ تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کام کرنے کے نہیں ہیں بلکہ دشمن کے شر سے بچنے کے لیے اپنے مذہب کو اس سے پوشیدہ رکھنے کا نام تقیہ ہے۔

جواب الجواب

یہ کہ تقیہ کے معنی حدیث امام معصوم سے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں اور ائمہ کے طرز عمل سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے لہٰذا تقیہ کے معنی مذہب چھپانے کے ہرگز نہیں ہوسکتے مذہب کے چھپانے میں اور تقیہ میں بڑا فرق ہے مذہب کو آدمی بغیر جھوٹ بولے ہوئے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کام کئے ہوئے بھی چھپا سکتا ہے اس کو ہرگز تقیہ نہیں کہتے اس کا نام مذہب شیعہ میں کِتمان ہے چنانچہ شیعوں کے رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی میں باب التقیہ

کے بعد باب الکتمان علیحدہ قائم کیا ہے اور اس باب میں مذہب چھپانے کی تاکید اور فضیلت کی حدیثیں نقل کی ہیں اس باب کی حدیثیں بہت لطف انگیز ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

عن سلیمان بن خالد قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ۔ (اصول کافی ص۴۸۵)

سلیمان بن خالد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سلیمان تم لوگ ایک ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

اس باب کی ایک دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جو شیعہ اپنے مذہب کو چھپائیگا اللہ اس کو دنیا میں عزت دے گا اور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں ایک روشنی ہوگی جو اس کو جنت میں لیجائے گی اور جو شیعہ اپنا مذہب ظاہر کردے گا اللہ اس کو دنیا میں بھی ذلیل کرے گا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں بجائے روشنی کے تاریکی پیدا کر دیگا جو اس کو جہنم میں لے جائے گی

مذہب کے چھپانے کی ان تاکیدوں کے ساتھ قرآن مجید کی اس آیت کو ملاؤ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ یعنی خدا نے اپنے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ دین برحق کو تمام دینوں پر ظاہر و غالب کر دیں۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یکہ و تنہا تمام دشمنوں کے سامنے دین برحق کا اعلان فرمایا نہ کبھی تقیہ کیا نہ کتمان۔ معلوم ہوا کہ ائمہ شیعہ کا جو دین تھا جس کے چھپانے کی وہ تاکید کر رہے ہیں اور جس دین کی یہ صفت ہے کہ اس کے چھپانے سے عزت اور ظاہر کرنے

سے ذلت ملتی ہے وہ دین اسلام کے سوا کوئی اور دین تھا اسلام تو ظاہر و اعلان کے لیے نہ اخفا و کتمان کے واسطے۔ الغرض تقیہ کے معنی صرف چھپانے کے نہیں ہیں صرف چھپانے کو کتمان کہتے ہیں۔

شیعوں کا دوسرا جواب: یہ ہے کہ تقیہ ہر حالت میں ہمارے یہاں نہیں ہے بلکہ شدید خوف کے وقت میں ہے۔ شدید خوف کی حالت میں خدا نے بھی تقیہ کی اجازت دی ہے قولہ تعالیٰ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ یعنی جو شخص مجبور کیا جائے اور اس کا قلب ایمان پر قائم ہو، زبان سے اگر کلمۂ کفر کہدے تو جائز ہے۔ اور فرمایا۔ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً یعنی کافروں سے تقیہ کرنا جائز ہے۔

جواب الجواب

یہ ہے کہ مذہب شیعہ میں ہرگز خوف شدید کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ائمہ معصومین کے اقوال و افعال سے اس شرط کی نفی نہایت صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہی ہے اوپر جو حدیثیں نقل ہو چکیں انہیں میں اس شرط کی نفی موجود ہے۔ اصول کافی کی تیسری حدیث میں جو اوپر نقل ہوئی امام جعفر صادق نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو چور کہا حالانکہ انھوں نے چوری نہ کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کو بیمار کہا حالانکہ وہ بیمار نہ تھے کوئی شیعہ صاحب براہ عنایت بتادیں کہ حضرت یوسف نے ایک بے گناہ کو چور کہدیا تو اس جھوٹ بولنے کے لیے کون سی ضرورت شدیدان کو لاحق ہوئی تھی کون شخص ان کو مجبور کر رہا تھا کہ ان بے گناہوں کو چور کہو ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصود اپنے حقیقی بھائی ابن یامین کو اپنے پاس روکنا تھا تو اس مقصود کو نہ خوف شدید کہہ سکتے ہیں نہ ضرورت

شدیدہ۔ اور بالفرض ضرورت بھی سہی تو وہ اس ضرورت کو یوں بھی پورا کر سکتے تھے کہ جیسا آخر میں اپنے کو ظاہر کیا اسی وقت ظاہر کر دیتے کہ میں یوسف ہوں اور ابن یامین ہمارا حقیقی بھائی ہے۔ جو آیتیں قرآن شریف کی شیعوں نے ذکر کیں وہ ان کے مدعا سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں کیونکہ آیتوں میں کلمۂ کفر زبان سے نکال دینا یا کافروں کے شر سے بچنے کے لیے کوئی ایسا کام کرنا بشرط اکراہ جائز کیا گیا ہے اور شیعوں کا تقیہ اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں۔

ف:۔ چونکہ حسب روایت اصول کافی شیعوں کے امام صادق صاحب نے حضرت یوسفؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا قصہ اس طرز سے بیان کیا ہے کہ یہ مضمون بحوالہ قرآن شریف سمجھا جاتا ہے اس لیے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ حضرت یوسفؑ کا واقعہ تو بالکل غلط ہے قرآن شریف میں وَلَقَدْ قَالَ یوسف نہیں ہے بلکہ یوں ہے اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ یعنی ایک اعلان دینے والے نے اعلان دیا کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ یہ اعلان دینے والا حضرت یوسفؑ کا ملازم تھا جس کی تحویل میں ان کی استعمال کی چیزیں رہتی تھیں جب اس ملازم نے دیکھا کہ بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ گم ہے تو اس کو خوف پیدا ہوا کہ مجھ سے اس کی بازپرس ہوگی اور اس نے تفتیش کی کہ کون کون لوگ یہاں آئے تھے معلوم ہوا کہ سوا ان قافلہ والوں کے اور کوئی اس وقت یہاں نہیں آیا ان قرائن کی بنا پر اس نے قافلہ والوں پر چوری کا الزام قائم کر کے ان کے اسباب کی تلاشی لی۔ اس ملازم کو معلوم نہ تھا کہ حضرت یوسفؑ نے یہ پیالہ خود ان کے اسباب میں رکھدیا ہے لہٰذا اس کا اعلان بھی جھوٹ نہ ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بحکم خداوندی وہ پیالہ ان کے اسباب میں رکھا تھا انکو خبر نہ تھی کہ اسکا نتیجہ کیا نکلے گا حضرت یوسفؑ چاہتے تھے کہ انکے بھائیوں کو ابھی یہ علم نہو کہ میں یوسف ہوں اور ابن یامین میرے پاس رہ جائیں خدا نے یہ مقصد انکا اس تدبیر سے پورا کر دیا نہ انکو

جھوٹ بولنا پڑا نہ ان کے اور کسی ملازم کو اور کام بن گیا اسی لیے قرآن میں فرمایا کہ کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ ہم نے یوسف کے لیے یہ تدبیر مخفی کی۔ باقی رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اس میں اتنا تو سچ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بیمار کہا لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ وہ بیمار نہ تھے واقعی وہ بیمار تھے بیماری کی ہزاروں قسمیں ہیں ان میں ایک قسم رنج و غم کی بیماری ہے یعنی رنج و غم کی وجہ سے دل و دماغ پر کوئی غیر معمولی اثر پڑ جائے تو یہ بھی ایک قسم کی بیماری ہے۔ اصطلاح طب میں اس کو مرض ساذج کہتے ہیں۔

شیعوں کا تیسرا جواب:۔ یہ ہے کہ سنیوں کے مذہب میں بھی تقیہ کرنا درست ہے چنانچہ آیات مذکورہ بالا کی تفسیر میں ان کے مفسرین نے لکھا ہے اور ان کے علمار نے اپنی کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے پس جو چیز سنیوں کے یہاں درست ہے اسکے متعلق بے چارے شیعوں کو نشانہ ملامت بنانا سخت ناانصافی ہے۔

جواب الجواب

یہ ہے کہ یہ محض افترا اور خالص بہتان ہے حاشا ثم حاشا اہلسنت وجماعت کے مذہب میں اصطلاحی تقیہ کا کہیں نام و نشان نہیں نہ کسی مفسر نے لکھا ہے نہ کسی اور عالم نے هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام میں چونکہ سختی اور تنگی نہیں ہے اسلئے ہر حالت اور ضرورت کے لیے اسمیں احکام موجود ہیں مثلاً کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو اور کوئی حلال چیز اس کو نہ ملے اور نہ مل سکے تو اس کو اجازت ہے کہ کوئی حرام چیز مثلاً سور کا گوشت بقدر جان بچانے کے کھا لے یہ مسئلہ قرآن شریف میں مذکور

ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ لیکن دنیا میں کوئی عقل مند اس اجازت کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ دین اسلام میں سور کا گوشت حلال ہے۔

بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص مضطر اور مجبور کیا جائے تو اس کو جھوٹ بولنے تو اس کو جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے کی اجازت دی گئی ہے اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وغیرہ آیات قرآنی سے یہ مضمون صاف ظاہر ہے

پس جس طرح سور کا گوشت مذہب اسلام میں حلال نہیں کہا جا سکتا اسی طرح تقیہ مذہب اہلسنت میں حلال نہیں سمجھا جا سکتا۔

اہل سنت جس چیز کو جائز کہتے ہیں اس میں اور شیعوں کے تقیہ مفروضہ میں کھلے کھلے تین فرق ہیں۔ **اول** یہ کہ اہل سنت کے نزدیک اکراہ و اضطرار کی شرط ہے مذہب شیعہ میں یہ شرط نہیں بلکہ ہر شخص پر ضروری ہے کہ جب وہ موقع تقیہ کا سمجھے تو تقیہ کرے لوگوں کی سمجھ مختلف ہوتی ہے لہٰذا ممکن ہے کہ ایک شخص کے نزدیک کوئی ضرورت قابل تقیہ کے ہو دوسرے کے نزدیک نہ ہو۔ **دوم** اہلسنت وجماعت حالت اکراہ و اضطرار میں بھی جھوٹ بولنے یا اپنے اعتقاد کے خلاف کام کرنے کو صرف جائز کہتے ہیں فرض و واجب نہیں کہتے یعنی یہ کہتے ہیں کہ کچھ گناہ نہ ہو گا مگر کچھ ثواب بھی نہ ملے گا۔ بخلاف مذہب شیعہ کے کہ ان کے یہاں فرض و واجب ہے دین کے ۹/۱۰ حصے جھوٹ بولنے میں ہیں جھوٹ نہ بولے تو بے دین و بے ایمان ہے۔ **سوم** اہل سنت وجماعت معصومین کے لیے بلکہ تمام ایسے پیشواؤں کے لیے جن کی ذات کے ساتھ خلق اللہ کی ہدایت وضلالت وابستہ ہو حالت اکراہ و اضطرار میں جھوٹ بولنا جائز نہیں سمجھتے خصوصاً دینی مسائل میں۔ بخلاف مذہب شیعہ کے کہ ان کے معصومین بھی تقیہ باز ہیں اور دینی مسائل بھی جھوٹے بیان کرتے ہیں فتوے جھوٹے دیتے ہیں جیسا کہ آگے

ظاہر ہو گا۔

باوجود ان کھلے کھلے فرقوں کے کون صاحب حیا کہہ سکتا ہے کہ تقیہ سنی شیعہ دونوں کے یہاں ہے۔

بعضے شیعہ نافہمی سے یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی اور بوقت ہجرت ایک غار میں تین دن تک پوشیدہ رہے یہ بھی تقیہ ہے (نعوذ باللہ منہ) افسوس ہے کہ ایسی صاف صاف بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہجرت کرنے یا غار میں پوشیدہ ہونے سے کون سا جھوٹ یا غلط مسئلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا اور جب یہ کچھ نہ ہوا تو اس کو تقیہ کہنا کیا معنی اسکو تو کتمان بھی نہیں کہہ سکتے کتمان مذہب کے چھپانے کو کہتے ہیں نہ خود اپنے آپ کے چھپانے کو۔

نعوذ باللہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تقیہ کرتے تو مکہ میں قبل ہجرت ایک حرف توحید کا زبان مبارک سے نہ نکالتے اور بعد ہجرت بھی یہودیوں وغیرہ کی وجہ سے دین کا اعلان نہ فرماتے دین اسلام کیسے پھیلتا۔ جس طرح علمائے شیعہ اقرار کرتے ہیں کہ اصحاب ائمہ نے ائمہ سے اصول دین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا نہ فروع دین کو یہی حالت دین اسلام کی ہوتی اور سارا دین مشکوک ہوتا۔

شیعوں پر ایک بڑی مصیبت

ایک طرف تو شیعوں نے تقیہ کے اتنے زبردست فضائل تصنیف فرمائے اس قدر تاکید اسکی اپنے ائمہ معصومین سے روایت کیں اور وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے کیونکہ اگر تقیہ کا سلسلہ نہ ہو تو مذہب شیعہ کا ائمہ اہلبیت کی طرف منسوب کرنا قطعاً ناممکن ہو جائے مذہب شیعہ کو تقیہ کے ساتھ وہی

نسبت ہے جو ریل گاڑی کو تار برقی کے ساتھ ہے اگر تار کاٹ دیے جائیں تو ریل گاڑی ایک قدم نہیں چل سکتی. دوسری طرف کچھ ایسے واقعات بھی ہیں جن سے تقیہ کی جڑ کٹتی ہے۔

ازانجملہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان سے زیادہ خوفِ جان ومال اور ضرورت شدیدہ کس کو لاحق ہوگی خصوصًا جب کربلا پہونچ گئے اور اپنی آنکھوں سے اپنے شیعوں کی بے وفائی مشاہدہ کرلی اور مقابل میں ایک بڑا خونخوار لشکر دیکھا باوجود اس کے بھی انہوں نے تقیہ نہ کیا اور یزید کی بیعت قبول نہ کی نتیجہ میں جو کچھ مصائب پیش آئے ظاہر ہیں۔ اگر تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض وواجب ہے اگر اس کے یہ فضائل صحیح ہیں اگر تارک تقیہ ذلت دنیا کے ساتھ عذاب آخرت کا بھی مستحق ہے تو امام حسینؓ پر تقیہ نہ کرنے کے باعث کیسا سخت اور سنگین جرم قائم ہوتا ہے۔ علمائے شیعہ اس عقدہ لاینحل کا کوئی معقول جواب آجتنک نہ دے سکے اور نہ دے سکتے ہیں بہتر سے بہتر جواب جو انہوں نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ امام حسین کو یہ علم غیب حاصل تھا کہ تقیہ کر کے بیعت کر لینے پر ان کی جان نہ بچے گی اور یزیدی لوگ بہر صورت ان کو قتل ہی کردیں گے اس وجہ سے انہوں نے تقیہ نہ کیا۔ بس یہی جواب شیعوں کا سرمایہ ناز ہے فاضل معاصر مولوی ناصر حسین صاحب مجتہد کے دادا مفتی محمد قلی صاحب نے اپنے رسالہ تقیہ میں اسی جواب کو علق نفیس سمجھا ہے۔ لکھتے ہیں

شیعان قائل تقیہ علے الاطلاق فی جمیع الازمنۃ الاحوال نیستند وقطع نظر
ازیں چوں اہل کوفہ عہود ومواثیق بسیار کردند ونامہائے بیشمار
نوشتند واحکام مبنی بر ظاہر است لہٰذا آنجناب عزم جہاد فرمودہ بود

وہر گاہ بیوفائی وعذر شاں ظاہر شد ہر چند قصد رجوع کرد لیکن
ممکن نشد اگر توہم کردہ شود کہ چرا دراں وقت بیعت عمر سعد و
ابن زیاد نہ نمود پس مدفوع است بایں کہ غالبًا آنحضرت دانستہ
باشد کہ آں ملاعنہ از عذر وبے وفائی باز نہ خواہند آمد اگرچہ
آنحضرت بیعت ہم کند۔

اس جواب کی سخافت اظہر من الشمس ہے۔ اگر ہم مان لیں کہ امام حسین کو کسی طرح یہ علم غیب حاصل تھا کہ بیعت کرنے پر بھی وہ لوگ ان کو قتل کردیں گے. تو بھی ان کو اس علم غیب پر عمل کرنا جائز نہ تھا۔ احکام شریعت ظاہر حال پر مبنی ہیں چنانچہ اسی عبارت منقولہ میں ہے کہ "احکام مبنی بر ظاہر است" اور ظاہر حال یہی ہے کہ بیعت کر لینے پر یہ تمام فتنہ فرو ہوجاتا کیونکہ یزید کا مطالبہ صرف یہی تھا کہ بیعت کرلو اور جن لوگوں نے بیعت کرلی ان سے اس نے کوئی تعرض نہ کیا۔

اور اگر امام کو اپنے علم مکنون پر بھی عمل کرنا جائز کہا جائے تو شیعوں کا مانا ہوا مسئلہ ہے کہ ہر امام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے اور موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے چنانچہ اصول کافی میں ایک پورا باب اس عنوان سے ہے بَابُ اَنَّ الْاَئِمَّةَ يَعْلَمُوْنَ مَتٰى يَمُوْتُوْنَ وَاِنَّهُمْ لَا يَمُوْتُوْن اِلَّا بِاِخْتِيَارِهِمْ پس چاہیے کہ کوئی امام تقیہ نہ کرے۔

اب شیعوں کو بڑی مشکل در پیش ہے اگر تقیہ کو واجب کہتے ہیں تو حضرت امام حسینؓ پر حرف آتا ہے اور اگر واجب نہیں کہتے تو دوسرے ائمہ خصوصًا ابو الائمہ جو عمر بھر تقیہ میں بسر کرتے رہے ان کی شان میں بے ادبی

لازم آتی ہے۔

ایسے مشکل موقعوں کے لیے بھی شیعوں کے پاس ایک جادو کا منتر موجود ہے اس سے کام لیں تو ان کی مشکل کشائی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ صاحبو! یہ باتیں اسرار امامت سے تعلق رکھتی ہیں کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ ائمہ نے خود فرمایا ہے کہ ہماری باتیں یا نبی مرسل سمجھ سکتے ہیں یا ملک مقرب یا کوئی ایسا مومن کامل الایمان جس کے دل کو خدا نے جانچ لیا ہو ان کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

مقاماتِ تقیہ

اس سے پہلے ہم شیعوں کے ائمہ معصومین کی احادیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ تقیہ نام ہے جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے مذہب کے کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے کا۔ اور یہ کہ تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض ہے۔ اور یہ کہ تقیہ کے لیے نہ خوف جان کی شرط ہے نہ ضرورت شدیدہ کی۔

اب یہاں ان تینوں امور کو ہم ائمہ کے افعال سے بھی دکھانا چاہتے ہیں ائمہ نے جن جن موقعوں میں تقیہ کیا ہے ان سب کا بیان تو بہت طول کو چاہتا ہے اس لیے کہ کوئی مسئلہ مسائل دین میں سے ایسا نہیں ہے جس میں ائمہ سے مختلف فتوے منقول نہ ہوں اور ان میں ایک فتوے کو علمار شیعہ نے تقیہ پر محمول نہ کیا ہو۔ لہٰذا بطور نمونہ کے چند مواقع اماموں کے تقیہ کے شیعوں کی مستند و معتبر کتابوں سے پیش کیے جاتے ہیں امید ہے کہ مذہب شیعہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے بہت کافی روشنی حاصل ہوگی۔

جو مقامات ہم اماموں کے تقیہ کے نقل کریں گے وہ وہی مقامات ہونگے جن کو خود علمائے شیعہ نے تقیہ کہا ہے۔ ہم اپنی طرف سے اس کے تقیہ ہونے کا حکم نہ لگائیں گے۔

عقائد خصوصًا مسئلہ امامت کے متعلق تقیہ

(۱) ابو الائمہ یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بڑے اہتمام کے ساتھ حضرات خلفائے ثلٰثہ خصوصًا شیخین (رضی اللہ عنہم) کے فضائل بیان فرمائے ہیں ان کا افضل امت ہونا ان کا خلیفہ برحق ہونا اور خلافت کا اہل حل وعقد کی بیعت سے منعقد ہونا تقریرًا تحریرًا اس کثرت سے بیان فرمایا ہے کہ آج اسّی سندوں کے ساتھ کتب اہل سنت میں حضرت ممدوح کا یہ قول منقول ہے خَیْرُ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ یعنی اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر۔ کتب شیعہ میں بھی ایک بڑا ذخیرہ ان فضائل کا موجود ہے ازانجملہ نہج البلاغۃ قسم دوم صٓ میں ایک خط آپ کا بنام حضرت معاویہؓ حسب ذیل ہے۔

اِنَّہٗ بَایَعَنِی الْقَوْمُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلٰی مَا بَایَعُوْھُمْ عَلَیْہِ فَلَمْ یَکُنْ لِلشَّاھِدِ اَنْ یَّخْتَارَ وَلَا لِلْغَائِبِ اَنْ یَّرُدَّ

بہ تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت کی تھی ابوبکر اور عمر اور عثمان سے انہیں شرائط پر جن شرائط پر ان سے بیعت کی تھی لہٰذا اب نہ حاضر کو اختیار ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرے اور

لہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تقیہ کی روایات ہم نے اس لئے نقل نہیں کیں کہ آپ کے قول وفعل کا چنداں اثر شیعوں پر نہ ہوتا ورنہ آپ کا تقیہ توحبے زبردست تھا قرآن کی بہت ساری آیتیں آپ نے مارے تقیہ کے تبلیغ نہ کیں (دیکھو عماد الاسلام مولوی دلدار علی) اور امامت کا مسئلہ آپ نے چھپا ڈالا سوا علی کے

وَاِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَسَمَّوْہُ اِمَامًا کَانَ ذٰلِکَ رِضًا فَاِنْ خَرَجَ مِنْ اَمْرِھِمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ اَوْ بِدْعَۃٍ رَدُّوْہُ اِلٰی مَا خَرَجَ مِنْہُ فَاِنْ اَبٰی قَاتَلُوْہُ عَلَی اتِّبَاعِہٖ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَوَلَّاہُ اللّٰہُ مَا تَوَلّٰی وَلَعَمْرِیْ یَا مُعَاوِیَۃُ لَئِنْ نَظَرْتَ بِعَقْلِکَ دُوْنَ ھَوَاکَ لَتَجِدَنِّیْ اَبْرَءَ النَّاسِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَلَتَعْلَمَنَّ اِنِّیْ کُنْتُ فِیْ عُزْلَۃٍ مِّنْہُ۔

نہ غائب کو اختیار ہے کہ وہ میری بیعت کو رد کرے مشورۂ خلافت کا حق صرف مہاجرین وانصار کو ہے وہ اگر کسی شخص پر اتفاق کرلیں اور اس کو امام کہہ دیں تو وہ پسندیدہ امام ہے پھر اگر مہاجرین وانصار کے کئے ہوئے کام سے کوئی شخص علیحدہ ہوجائے کچھ اعتراض کرکے یا کوئی نئی بات نکال کر تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ شخص جس راہ سے ہٹ گیا ہے اسی کی طرف اس کو واپس لائیں پھر اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال کریں اس بنا پر کہ اسنے ایمان والوں کے راستہ کے خلاف کی پیروی کی اور اللہ اس کو اسی کی طرف پھیرے گا جس طرف وہ پھرا۔ اور قسم ہے مجھے اپنی جان کی مالک کی اے معاویہ اگر تم اپنی عقل سے غور کرو ہوائے نفسانی کو دخل نہ دو تو یقینًا مجھے سب سے زیادہ خون عثمان سے بے تعلق پاؤ گے اور ضرور تم کو معلوم ہوجائیگا کہ میں اس خون سے بالکل علیحدہ ہوں۔

ف :- اس خط میں حضرت علی نے چھ باتیں قابل توجہ اور مذہب شیعہ کے خلاف بیان فرمائی ہیں اپنی خلافت بربنائے نص نہ فرمائی بلکہ بربنائے بیعت مہاجرین انصار مہاجرین وانصار کی بنظیر فضیلت میں چند باتیں بیان فرمائیں کہ انتخاب خلیفہ کا حق انہیں کو ہے یعنی ان کے ہوتے ہوئے دوسرے کو انتخاب کا حق نہیں ہے۔ اور یہ کہ مہاجرین وانصار کا نامزد کیا ہوا خلیفہ پسندیدہ یعنی خلیفہ راشد ہوتا ہے اور یہ کہ مہاجرین

(بقیہ صٓ۲۶ کا)

کسی اور کو نہیں سکھایا۔ دیکھو اصول کافی صٓ۴۸ اس کے علاوہ اور بڑے بڑے تقیہ آپ نے کیے۔

وانصار جس راہ پر چلیں وہ ایمان والوں کی راہ ہے۔ مہاجرین وانصار کے منتخب کیے ہوئے خلیفہ کو جو نہ مانے وہ ایمان والوں کی راہ کا مخالف اور واجب القتل والقتال ہے۔ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کا نام لیکر ان کا خلیفہ برحق ہونا ظاہر فرما دیا۔ علمائے شیعہ نے حضرت ممدوح کے ان اقوال کو تقیہ پر محمول کیا ہے۔ شیعوں کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مجتہد اپنی کتاب بوارق کے صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں۔

اگر آنحضرت درنامہ تصریح ببطلان خلافت مشائخ ثلاثہ میکرد لامحالہ آتش عداوت درکانون سینہ پر کینہ آنہاں مشتعل میشد بلکہ اکثر اصحاب آنحضرت ملحق بہ معاویہ شدہ آنجناب را مخذول ومنکوب می نمودند۔

اگر آنحضرت خط میں تینوں خلیفہ کے خلافت کے باطل ہونے کی تصریح کر دیتے تو لامحالہ عداوت کی آگ ان کے سینوں میں بھڑک اٹھتی بلکہ اکثر اصحاب آں حضرت کے معاویہ کے ساتھ مل کر آں جناب کو ذلیل و سرنگوں کر دیتے۔

. . . .

دیکھیے یہ کیسا پر لطف تقیہ ہے جب دشمن کا خوف نہ دکھا سکے تو کہدیا کہ خود اپنے اصحاب کے خوف سے حضرت علی نے تقیہ کیا معلوم ہوا کہ حضرت علی کے اصحاب بڑے دغا باز اور منافق تھے حضرت علی ان سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اپنا اصلی مذہب نہ ظاہر کر سکتے تھے اور جب ابو الائمہ کے اصحاب کا یہ حال تھا تو باقی ائمہ کے اصحاب کا کیا حال ہوگا۔

(۲) حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں بھی نہ متعہ جیسی عظیم الشان عبادت کے حلال ہونے کا اعلان دیا نہ نماز تراویح جیسے گناہ کبیرہ کو روکا، اصلی قرآن کی ترویج نہ کی، حقوق العباد نہ دلوائے اور سب سے بڑا غضب یہ کہ حضرت فاطمہ کا حق غصب

کرنے میں بھی تینوں خلفائے کے قدم بہ قدم چلے علمائے شیعہ حضرت علی کے ان تمام کارناموں کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب احقاق الحق میں (جہاں علامہ ابن روز بہان رحمۃ اللہ علیہ کے اس بے پناہ اعتراض کا جواب دیا ہے کہ متعہ اگر حضرت عمر نے اپنی طرف سے حرام کیا تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے حلال ہونے کا اعلان کیوں نہ دیا) لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کو اپنے زمانہ خلافت میں بھی امن نہ تھا اور وہ اپنا اصلی عقیدہ اور اصلی مذہب بالاعلان نہ بیان کر سکتے تھے۔ قاضی صاحب کی طویل عبارت کا آخری فقرہ یہ ہے۔

وَالحَاصِلُ اَنَّ اَمرَ الخِلافَةِ مَا وَصَلَ اِلَيهِ اِلَّا بِالاسمِ دُونَ المَعنیٰ وَكَانَ مُعَارَضًا مُنَازَعًا مُبغَضًا فِی اَيَّامِ وِلَايَتِهٖ وَكَيفَ يَامَنُ فِی وِلَايَتِهٖ الخِلَافَ عَلَی المُتَقَدِّمِينَ عَلَيهِ وَكُلُّ مَن بَايَعَهٗ وَجُمهُورُهُم شِيعَةُ اَعدَائِهٖ وَمَن يَّریٰ اَنَّهُم مَضَوا عَلیٰ اَعدَلِ الاُمُورِ وَاَفضَلِهَا وَاَنَّ غَايَةَ اَمرِ مَن بَعدَهُم اَن يَتَّبِعَ آثَارَهُم وَيَقتَفِیَ طَرَائِقَهُم

اور حاصل یہ کہ خلافت کا کام جناب امیر علیہ السلام تک صرف برائے نام پہنچا تھا نہ درحقیقت، اور آنجناب اپنی حکومت کے زمانہ میں بھی جھگڑے کیے جاتے تھے اور بغض رکھا جاتا تھا۔ اور آنجناب اپنی حکومت میں اگلوں سے مخالفت کر کے کیونکر بے خوف رہ سکتے تھے اس حال میں کہ جن لوگوں نے ان سے بیعت کی تھی وہ کل کے کل ان کے دشمنوں کے شیعوں میں سے تھے اور ایسے لوگ تھے جو سمجھتے تھے کہ ان کے دشمن نہایت عمدہ حالت اور افضل صفت میں تھے اور ان کے بعد والوں کی انتہائی معراج یہ ہے کہ انکے نشان قدم پر چلیں اور ان کے راستے کی پیروی کریں

قاضی نور اللہ شوستری یا کسی اور کے کہنے کی ضرورت کیا خود حضرت علی کا اقرار موجود ہے کہ ان کا تمام زمانہ خلافت تقیہ میں گزرا اور اپنی خلافت میں

بھی دین کا کوئی کام نہ کر سکے۔ روضہ کافی ص۲۹ میں ہے کہ حضرت علی نے ایک روز اپنی خلوت خاص میں جہاں سوا ان کے اہلبیت اور چند مخصوص شیعوں کے کوئی نہ تھا فرمایا کہ۔

قد عملت الولاۃ قبلی اعمالاً خالفوا فیھا رسول اللہ متعمدین لخلافہ ناقضین لعھدہ مغیرین لسنتہ ولو حملت الناس علیٰ ترکھا وحولتھا الیٰ مواضعھا والیٰ ما کانت فی عھد رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ لتفرق عنی جندی۔

مجھ سے پہلے حکام نے کچھ کام ایسے کیے ہیں جنہیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے اور عمداً مخالفت کی ہے اور ان کی سنت کو بدلا ہے اور اگر میں لوگوں کو ان کاموں کے ترک کر دینے کا حکم دوں اور ان کو ان کی اصلی حالت کی طرف واپس کر دوں اور اس حالت کی طرف جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے۔

پھر اس کے بعد ان خلاف شریعت کاموں کی کچھ تفصیل بھی ارشاد فرمائی کہ۔

لو رددت فدك الیٰ ورثۃ فاطمۃ علیھا السلام واقطعت قطائع اقطعھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم لاقوام لم تمض لھم ولم تنفذ ورددت قضایا من الجور قضی بھا ونزعت نساءً تحت رجالٍ بغیر حق فرددتھن الیٰ ازواجھن وحملت الناس علیٰ حکم القراٰن ومحوت دواوین العطایا واعطیت کما کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ یعطی بالسویۃ وحرمت المسح علیٰ الخفین اذاً لتفرقوا عنی واللہ لقد امرت الناس الّا یجتمعوا فی شھر رمضانَ الّا فی فریضۃ واعلمتھم انّ اجتماعھم فی النوافل بدعۃ فتنادیٰ بعض اھل عسکری ممن یقاتل معی یا اھل الاسلام غیرت سنۃ عمر ینھانا عن الصلوٰۃ فی شھر رمضان تطوعًا۔

اگر میں فدک وارثان فاطمہ علیہا السلام کے حوالہ کر دوں اور جو معافیاں رسول خدا صلے اللہ علیہ والہ نے بعض لوگوں کو دی تھیں اور وہ انکو نہیں ملیں نہ ان کا نفاذ ہوا ان کو دیدوں اور جو فیصلے ظلم کے کیے گئے ہیں ان کو رد کر دوں اور کچھ عورتیں جو بعض مردوں کے تصرف میں ناجائز طور پر ہیں ان کو نکال کر ان کے شوہروں کے حوالہ کر دوں اور لوگوں کو احکام قرآنی پر عمل کرنے کا حکم دوں اور وظیفوں کا رجسٹر منسوخ کر دوں اور جس طرح رسول اللہ لوگوں کو برابر برابر دیتے تھے اسی طرح دوں اور موزوں پر مسح کرنے کو حرام کر دوں تو یقیناً لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں سوا فرض کے اور کسی نماز میں جماعت نہ کریں اور ان کو آگاہ کیا کہ نوافل میں جماعت کرنا بدعت ہے (یعنی تراویح) تو میرے ہی لشکر کے بعض لوگ جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے ہیں پکارنے لگے کہ اے اہل اسلام عمر کی سنت بدل دی گئی یہ شخص ہم کو رمضان کے مہینہ میں نوافل پڑھنے سے منع کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت علی کے زمانہ خلافت میں بڑے بڑے ناجائز کام ہو رہے تھے یہاں تک کہ مسلمان اور شوہر والی عورتوں سے جبراً حرام کاری کی جارہی تھی حقوق العباد بھی تلف ہو رہے تھے فدک بھی اسی مغصوب حالت میں تھا ایسے کبیرہ گناہ اعلان کے ساتھ کیے جارہے تھے کہ ان کے تصور سے ایمان دار کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے مگر حضرت علی مارے تقیہ کے خاموش تھے اور ان تمام مظالم و معاصی کو اسی طرح برقرار رکھے ہوئے تھے۔

حضرت علی کو اپنے زمانہ خلافت میں کیا خوف تھا، کیا ضرورت

تقیہ کی تھی خصوصاً جب کہ وہ علاوہ خلافت کے دوسری بڑی طاقتوں اور بڑے بڑے معجزوں کے مالک بنے ہوئے تھے یہ ایک معمہ ہے جس کے حل کرنے کے لیے ابن سبا اور زرارہ وابوبصیر کی عقل بھی کچھ کام نہ دے سکی۔ روایات میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہی کہ حضرت علی کو اپنا اصلی مذہب ظاہر کرنے اور ان مظالم ومعاصی کو موقوف کر دینے میں اپنے لشکر کے جدا ہو جانے یعنی خلافت کے چھن جانے کا اندیشہ تھا چنانچہ ابھی جو روایت ہم نے روضہ کافی سے نقل کی اس میں بھی یہی عذر تقیہ کا منقول ہے۔

مگر اہل عقل خوب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عذر کس حد تک معقول کہا جا سکتا ہے بھلا خیال تو کرو خلافت ہے کس لیے خلافت کا مقصد یہی ہے کہ یہ نیابت پیغمبر دین الٰہی کو قائم رکھا جائے جب یہ مقصد ہی حاصل نہ ہو تو ایسی خلافت مسلمان کے لیے جائز ہی نہیں ہو سکتی حضرت علی کو چاہیے تھا کہ خود ہی ایسی خلافت پر لات مار دیتے ان کو ایسا کیا شوق خلافت کا تھا کہ اس کے چھن جانے کے خوف سے ایسے کبیرہ گناہوں کا وبال اپنے ذمہ لے رہے تھے۔

(۳) حضرت علی کا تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت کرنا ان کے پیچھے نماز پنجگانہ ادا کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے شیعہ ان سب امور کو تقیہ کہتے ہیں۔

ابو الائمہ کے بعد اب دوسرے ائمہ کا تقیہ مسئلہ امامت میں دیکھو خصوصاً امام جعفر صادق کا جو مذہب شیعہ میں بڑا درجہ رکھتے ہیں بایں معنی کہ شیعہ کہتے ہیں ہمارے مذہب کی تعلیم وترویج زیادہ تر انہیں کے ہاتھ سے ہوئی ہے اسی وجہ سے شیعہ اپنے کو جعفری کہتے ہیں۔

(۴) اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص۴۸۶ میں ہے:-

عن عبد اللہ بن سلیمان عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال لی مازال سرنا مکتوما حتی صار فی ید ولد کیسان فتحدثوا بہ فی الطریق وقری السواد۔	عبد اللہ بن سلیمان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ہمارا راز (یعنی دعوئ امامت) ہمیشہ پوشیدہ رہا یہاں تک فرزندان مکر وفریب کے ہاتھوں میں پہنچا پس انہوں نے راستہ گلی میں اور (صوبہ) سواد کی بستیوں میں اس کا چرچا کیا۔

ف:- اس حدیث میں امام جعفر صادق نے شیعوں کو مکار اور فریبی کہا اور فرمایا کہ انہیں نے ہمارا راز فاش کیا ورنہ ہمارا دعوئ امامت اور ہمارے عقائد بالکل پوشیدہ تھے۔

علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی جزو چہارم حصہ دوم ص۲۴ میں فرماتے ہیں "کَیْسَانَ" بفتح کاف وسکون یای دو نقطہ در پائیں وسین بے نقطہ نام مکر وفریب است" اور ترجمہ اس حدیث کا فارسی میں یوں لکھتے ہیں کہ "روایت از امام جعفر صادق علیہ السلام راوی گفت مرا ہمیشہ راز ما پنہاں بود تا آنکہ افتاد در دست اہل مکر وفریب پس نقل کردند راز مارا در راہ گذر و در دیہای سواد عراق"۔

علامہ خلیل قزوینی کو بھی یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اس حدیث سے شیعوں کا مکار اور فریبی ہونا خود امام معصوم کے ارشاد سے ثابت ہو گیا لہٰذا فرماتے ہیں کہ "مراد بولد کیسان اہل مکر است کہ شیعہ امامیہ نیستند و بدروغ خود را از شیعہ امامیہ می شمارند"۔

مگر یہ تاویل عذر بدتر از گناہ ہے بچند وجہ اوّل یہ کہ تاریخ شہادت دیرہی ہے کہ شیعوں کے سوا اور کسی فرقے کے لوگوں نے ان ائمہ کا مدعئ امامت ہونا بیان نہیں کیا نہ مذہب شیعہ کو ان کی طرف منسوب کیا۔ سنی

آج تک ان کو اپنا ہم مذہب کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں۔ پس یقیناً عقائد شیعہ کو ان ائمہ کی طرف منسوب کرنے والے شیعہ تھے اور انہیں کو امام نے مکّار اور فریبی کہا۔ دوؔم یہ کہ بالفرض مان لیا جائے کہ یہ مسالۂ امامت کو شہرت دینے والے شیعہ نہ تھے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ ان کو یہ راز معلوم کیونکر ہوا لامحالہ یا ائمہ نے ان سے بیان کیا یا ائمہ کے شیعوں نے۔ اگر ائمہ نے بیان کیا تو ائمہ مورد اعتراض ہوتے ہیں کہ انہوں نے غیر شیعہ سے کیوں اپنا راز ظاہر کیا اور جب کہ ہر امام کے پاس ان کے شیعوں کے نام کا رجسٹر رہتا ہے نیز امام ہر شخص کو اس کی آواز سے پہچان لیتے ہیں کہ ناجی ہے یا ناری تو دھوکا کھا جانے کا بھی عذر نہیں ہوسکتا اور اگر شیعوں نے بیان کیا تو پھر وہی الزام لوٹ آیا اور شیعوں کا مکّار وفریبی ہونا ثابت ہوگیا۔ سوؔم یہ کہ سرے سے یہی بات غیر معقول ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص اپنے کو جھوٹ موٹ شیعہ کہتا کیونکہ بقول شیعہ اپنے کو اس زمانہ میں شیعہ کہنا جرم تھا کوئی شخص ناکردہ جرم سے اپنے کو کیوں متہم کرنے لگا۔ چہاؔرم یہ کہ امام باقر کی حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ مسئلہ امامت کا شہرت دینے والے حضرات شیعہ ہی تھے وہ حدیث حسب ذیل ہے۔

(۵) اصول کافی ص۴۸۷ میں ہے۔

قال ابوجعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبرئیل واسرھا جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذلک.	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی ولایت (یعنی مسئلہ امامت) کو اللہ نے جبرئیل سے بطور راز کے بیان کیا اور جبرئیل نے پوشیدہ طور پر محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) سے اور محمدؐ نے علی علیہ السلام سے پوشیدہ طور پر بیان کیا اور علی نے پوشیدہ طور پر جن سے چاہا بیان کیا مگر اب تم لوگ اس کو مشہور کیے دیتے ہو۔

ف:۔ دیکھیے اس حدیث میں امام باقر علیہ السلام نے شیعوں ہی کو فرمایا کہ تم مسئلہ امامت کو مشہور کرتے پھرتے ہو اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مسئلہ امامت کو شیعوں ہی نے ان ائمہ کی طرف منسوب کیا۔

یہ لطیفہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسالہ امامت ایک ایسا راز ہے کہ خدا نے سوا جبریل کے اور کسی فرشتہ کو نہ بتایا نتیجہ یہ کہ سوا جبریل کے اور کوئی فرشتہ حضرت علی اور دوسرے ائمہ کا خلیفہ بلافصل یا امام ہونا درکنار سرے سے شیعوں کی مصطلحہ امامت ہی سے واقف نہیں ہے اور جبریل نے بھی سوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پیغمبر سے بھی یہ مسالہ بیان نہ کیا خدا کے تمام پیغمبر عقیدۂ امامت سے بے خبر رہے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی سوا علی کے کسی کو اس راز سے باخبر نہ کیا حتی کہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ اور اپنے نواسوں کو بھی اس سے بے خبر رکھا غالباً اسی بیخبری کے سبب سے حضرت فاطمہؓ حضرت علی کی ہر بات پر سر تسلیم خم نہ کرتی تھیں بعض اوقات سخت گفتگو کی بھی نوبت آجاتی تھی۔ کما فی حق الیقین۔

کیا اچھا دین ہے جس سے فرشتے اور پیغمبر بھی ناواقف ہیں مگر اب شیعہ اس کو اس درجہ شہرت دے رہے ہیں کہ اذان میں ولایت کا اعلان اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ایک اور روایت سب سے زیادہ پر لطف سنیے۔

(۶) اصول کافی ص۱۴۲ میں ہے۔

عن سعید السمان قال کنت عند ابی عبد اللہ اذ دخل علیہ رجلان من الزیدیۃ فقالا لہ افیکم امام	سعید سمان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا کہ فرقہ زیدیہ کے دو شخص ان کے پاس آئے ان دونوں نے امام سے کہا

مفترض الطاعة قال فقال لا قال فقالا له قد اخبرنا عنك الثقات انك تفتی وتقرّ وتقول به ونسمّیهم لك فلان وفلان وهو اصحاب ورع وتشمیر وهم ممّن لا یکذب فغضب ابو عبد الله وقال ما امرتهم بهذا فلمّا رأیا الغضب فی وجهه خرجا۔

کہ کیا آپ لوگوں میں کوئی امام مفترض الطاعۃ ہے امام نے کہا کہ نہیں ان دونوں نے کہا کہ ہم سے معتبر لوگوں نے آپ سے نقل کرکے بیان کیا کہ آپ اس کا فتوے دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں اور قائل ہیں آپکو ان لوگوں کا نام بھی بتائے دیتے ہیں فلاں اور فلاں یہ لوگ پرہیزگار اور پاکدامن لوگ ہیں اور ایسے لوگ ہیں کہ جھوٹ نہیں بولتے امام جعفر صادق کو اسپر غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو اس کا حکم نہیں دیا جب ان دونوں نے آپکے چہرے میں غصہ کے آثار دیکھے تو چلے گئے۔

اسی مضمون کی روایت شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین ص۱۶۶ میں لکھی ہے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں۔

"درکتاب مختار از سعید منقول است کہ گفت روزے در خدمت امام جعفر علیہ السلام بودم کہ دو کس در مجلس اذن دخول طلبیدند و آں حضرت ایشاں را اذن کرد چوں بہ نشستند یکے از ایشاں از اہل مجلس پرسید کہ ایا در شما امام مفترض الطاعۃ است آنحضرت فرمود کہ چنیں کسے درمیان خود نمی شناسیم او گفت در کوفہ قومی ہستند کہ زعم ایشاں آں است کہ درمیان شما امام مفترض الطاعۃ موجود ست وایشاں دروغ نمی گویند زیرا کہ صاحب ورع واجتہاد اند واز جملہ ایشاں عبد اللہ یعفور وفلاں فلاں اند پس آنحضرت فرمودند کہ من ایشاں با ایں اعتقاد امر نکردہ ام گناہ من دراں چیست ومقارن ایں گفتار

بر رخسار مبارک او آثار احمرار وغضب بسیار ظاہر شد چوں آں دو کس اورا در غضب دیدند از مجلس برخاستند وچوں از مجلس بدر شدند آنحضرت باصحاب خود فرمود کہ ایا می شناسید ایں دو مرد را گفتند بلے ایشاں از زیدیہ اند وگماں آں دارند کہ شمشیر حضرت رسول نزد عبد اللہ بن الحسن ست پس آنحضرت فرمود کہ دروغ گفتہ اند وسہ بار بر ایشاں لعنت فرستاد۔

ف:۔ ان دونوں روایتوں کا ماحصل ایک ہے اور یہ مضمون کتب شیعہ میں تواتر کو پہونچ گیا ہے کہ امام جعفر صادق اور دوسرے ائمہ علانیہ لوگوں کے سامنے اپنی امامت کا اور شیعوں کے خانہ ساز مسٔالہ امامت کا قطعی انکار کر دیتے تھے اور جو لوگ اس مسٔالہ کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے برملا ان کی تکذیب فرماتے تھے۔ شیعہ راویوں نے جس قدر مخصوص باتیں شیعہ مذہب کی ان سے نقل کی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں ائمہ نے ہم سے تنہائی میں بیان کی ہیں جس کی تصدیق وہ کسی کے سامنے کبھی نہ کرا سکے۔

ایک اور روایت اس سے بھی لطیف یہ ہے کہ ائمہ معصومین نے اپنے آپس میں بھی ایک کو دوسرے سے تقیہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ از روئے مذہب شیعہ اصحاب نبی میں صرف چار شخص مومن تھے ان چاروں کی بھی یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے سے تقیہ کرتے تھے۔ بظاہر تو ایک تھے مگر عقائد میں باہم اس قدر اختلاف تھا کہ اگر ایک کے عقائد پر دوسرے کو اطلاع ہو جاتی تو کشت وخون ہو جاتا۔ وہ روایت یہ ہے۔

(۷) اصول کافی ص۲۵۴ میں ہے:۔

عن ابی عبد الله علیہ السّلام قال ذُکِرَتِ التّقیّۃ یوماً عند عَلِیّ بن الحسین عَلیھمَا السّلام فقال والله لو عَلِمَ ابوذرٍّ ما فی قلب سَلمان لقتلهٗ ولقدْ اٰخَا رسول الله صلی الله علیه واٰلہ بینھما کما ظنّك بسائر الخلق ان علم العلماء صعب مستصعب لایحتملہ الّا نبی مُرسَلٌ او مَلکٌ مقربٌ او عبدٌ مومنٌ امتحن الله قلبهٗ للایمان فقال وانّما صار سلمانُ من العلماء لانّہ امرءٌ منّا اهل البیت.

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک دن امام زین العابدین کے سامنے تقیہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ واللہ ابوذر کو اگر معلوم ہو جاتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ سلمان کو قتل کر دیتے حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ نے ان دونوں درمیان میں اخوت قائم کر دی تھی پھر کیا خیال ہے تمہارا اور مخلوقات کی طرف۔ یقیناً علماء کا علم سخت مشکل ہے جسکو سوا نبی مرسل یا ملک مقرب یا ایسے بندۂ مومن کہ جسکے قلب کو اللہ نے ایمان کے لیے جانچ لیا ہو کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔ اور سلمان علماء میں سے اس سبب سے ہوئے کہ وہ ہمارے اہلبیت میں سے ایک شخص ہیں۔

ف:۔ اس حدیث سے تقیہ کی اہمیت و عظمت اچھی طرح ظاہر ہو رہی ہے انتہا یہ کہ سلمان ابوذر سے تقیہ کرتے تھے ابوذر کو سلمان کے اصلی عقائد کا علم نہ تھا ورنہ وہ سلمان کو مار ڈالتے اور ظاہر ہے کہ سلمان اور ابوذر دونوں کو اسقدر متضاد عقائد کی تعلیم رسول ہی نے دی تھی۔

سلمان کے وہ مخفی عقائد کیا تھے خدا کی توحید میں ان کے عقیدے کچھ ان سے بدلے ہوئے تھے یا رسالت و نبوت کے متعلق کوئی دوسری باتیں ان کو سکھلائی گئی تھیں یا قیامت اور جنت و دوزخ کی بابت ان

کے عقائد مختلف تھے اس کا صریح ذکر کسی روایت میں نہیں ملتا نہ ملنا چاہیے ورنہ پھر تقیہ کا کمال ہی کیا ہوا۔

علامہ خلیل قزوینی شارح کافی اس روایت کو دیکھ کر بہت گھبرائے اور اس ایک روایت پر کیا موقوف خدا کی قدرت یہ ہے کہ جہاں مذہب شیعہ کی بنیاد روایت پر ہے وہاں ان کی یہی روایات ان کے لیے وبال جان بن گئی ہیں۔ بہرحال علامہ قزوینی نے اس روایت کی تاویل کی ہے اور وہ تاویل ایسی نفیس ہے کہ خود سلمان فارسی پر خیانت کا الزام عائد کر کے لکھا ہے کہ ابوذر کو اگر اس خیانت کا علم ہو جاتا تو وہ اس کو لوگوں سے ظاہر کر دیتے اور سلمان قتل کر دیے جاتے لیکن یہ خیال قزوینی کا سخت گستاخی اور بے دینی کا خیال ہے حضرت سلمان کے قلب میں جو چیز تھی وہ خیانت نہ تھی بلکہ وہ علم الٰہی کی قسم سے کوئی چیز تھی۔ چنانچہ حیات القلوب مطبوعہ نولکشور جلد دوم ص۶۴۳ میں ہے۔

"شیخ کشی بہ سند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ حضرت رسول فرمود کہ اے سلمان اگر علم ترا عرض کنند بر مقداد ہر آئینہ کافر خواہد شد"۔

یعنی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان سے فرمایا کہ اگر تمہارا علم مقداد پر ظاہر کر دیا جائے تو مقداد کافر ہو جائیں۔

معلوم ہوا کہ سلمان کا مافی الضمیر جس کا ذکر کافی کی روایت میں ہے کوئی چیز از قسم علم ہے۔ مولانا احتشام الدین صاحب مرحوم اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اب حضرات شیعہ اس معمیٰ کو حل کریں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ سلمان کے دل کی حالت معلوم کرنے سے مقداد

کافر ہو جاتے (معاذ اللہ منہا) پس اگر رسول اللہ کے دل کی حالت جناب امیر معلوم کر لیتے تو وہ کیا ہو جاتے اور اگر جناب امیر کی دل کی حالت حسنین یا سلمان وغیرہ معلوم کر لیتے تو کیا بنجاتے اور اگر حسنین کے دل کی حالت باقی ائمہ کو معلوم ہو جاتی تو وہ کیا ہو جاتے اور اگر ائمہ کے دل کی حالت تمام متقدمین ومتاخرین شیعہ خصوصًا اس زمانے کے شیعوں کو معلوم ہو جائے تو وہ کیا ہو جائیں۔

جن کی ظاہر کی تجلّی سے مسلمان ہوئے
ان کے باطن کی خبر پائیں تو کافر ہو جائیں

مولٰینا احتشام الدین صاحب نے بڑی ذکاوت کے ساتھ کتب شیعہ سے اس راز کا پتہ لگایا کہ سلمان کے دل میں وہ کیا چیز تھی جس کے ظاہر ہونے پر ابوذر ان کو قتل کر دیتے اور مقداد کافر ہو جاتے اس سلسلہ میں کئی باتیں بیان فرمائی ہیں لیکن سب میں زیادہ دلنشیں یہ بات ہے کہ حضرت سلمان ایک ایسی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے کہ اگر وہ قائم ہو گئی ہوتی تو مذہب شیعہ کے تصنیف کرنے والوں کو زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے بعد بھی کامیابی نہ ہوتی حضرت سلمان چاہتے تھے کہ تمام کلمہ گویان اسلام قرآن کریم کو اپنا ماویٰ وملجا بنائیں حدیثوں پر بنیاد مذہب[1] نہ رکھیں وہ قرآن

---

[1] اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے کہ قرآن مجید ایک قطعی ویقینی چیز ہے اسی پر مذہب اسلام کی بنیاد ہے۔ احادیث صرف طریق عمل معلوم کرنے کے لیے ہیں یا بعض مجملات قرآن کی تفسیر بیان کرنے کے لیے نہ اس لیے کہ ان پر بنیاد اعتقادات کی رکھی جائے اور نہ اس لیے کہ قرآن معمیٰ
(بقیہ حاشیہ پر)

سے بھاگ کر حدیث کی طرف جانے کو گمراہی کا دروازہ سمجھتے تھے المختصر فاروق اعظم کے زریں مقولہ حسبنا کتاب اللہ کو وہ بھی حرز جاں بنائے ہوئے تھے۔ چنانچہ حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۶۱ میں ہے۔

سلمان بمردم گفت کہ گریختند از قرآن بسوئے حدیث زیرا کہ قرآن را کتاب رفیع یافتید در انجا شما را حساب می نماید بر نقیر وقطمیر وفتیل یعنی برامر خورد ے وریزۂ بر قدر دانہ خردے پس تنگی کرد بر شما احکام قرآن پس گریختند بسوئے احادیثے کہ کار را بر شما کشادہ وآساں کردہ است۔

سلمان نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ قرآن سے بھاگ کر حدیث کی طرف گیے کیونکہ قرآن کو تم نے دیکھا کہ بڑی اونچی کتاب ہے اس مقدس کتاب میں تم سے ذرہ ذرہ سی بات کا حساب لیا جاتا ہے لہٰذا قرآن نے تم پر تنگی کی (یعنی تمکو نئے نئے مذہبونکے تصنیف کرنے کی گنجائش نہ دی) لہٰذا تم قرآن سے بھاگ کر ان حدیثوں کی طرف گئے جنہوں نے راستہ تم پر کشادہ اور آسان کر دیا ہے۔

دوسرے مسائل دینیہ کے متعلق تقیہ

مسالہ امامت کے متعلق تقیہ کے چند مواقع بطور نمونہ کے بیان ہو چکے

(بقیہ صفحہ ۴۰ کا) وچیستاں ہے بغیر روایات کے ملائے ہوئے اس کی کوئی بات سمجھ میں آہی نہیں سکتی۔ اس مضمون کو بہت مفصل ومدلل مقدمہ تفسیر آیات خلافت اور رسالہ تفسیر آیہ اولی الامر میں بیان کیا جا چکا ہے کتب شیعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمان کا بھی یہی مسلک تھا اور ہم سے پوچھو تو حضرت سلمان ہی نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کا بلا اختلاف یہی مسلک تھا انھیں حضرات کے مسلک کا نام تو اہل سنت وجماعت ہے۔ اگر اس مسلک کو شیعہ تھوڑی دیر کیلئے بھی اختیار کر لیں تو تشیع کے گھروندہ کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔

اب دوسرے مسائل دینیہ میں شیعوں کے ائمہ معصومین کا تقیہ دیکھنا چاہیے۔

(۱) فروع کافی مطبوعہ لکھنؤ جلد دوم ص۸۰ میں ہے

عن ابان بن تغلب قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول کان ابی علیہ السلام یفتی فی زمن بنی امیۃ ان ماقتل البازی والصقر فھو حلال وکان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرامٌ ما قتل۔

ابان ابن تغلب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے والد (امام باقر) علیہ السلام بنی امیہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے کہ باز اور شکرا جس چڑیا کو قتل کر دیں وہ حلال ہے میرے والد بنی امیہ سے تقیہ کرتے تھے مگر میں ان سے تقیہ نہیں کرتا اور فتویٰ دیتا ہوں کہ وہ چڑیا جس کو باز اور شکرا قتل کرے وہ حرام ہے۔

ف:۔ دیکھیے امام باقر نے تقیہ میں حرام کے حلال ہونے کا فتویٰ دے دیا اور یہ تقیہ ہرگز محل خوف میں نہ تھا کیونکہ یہ مسٔالہ ایک اجتہادی مسٔالہ تھا ایسے مسائل اجتہادیہ میں خود فقہائے اہل سنت باہم مختلف رہتے تھے اور کوئی کسی پر گرفت نہ کرتا تھا آخر امام جعفر صادق نے اس مسٔالہ میں تقیہ نہ کیا تو ان پر کس نے گرفت کی اور بالفرض خوف کی حالت بھی ہوتی تو کیا امام مفترض الطاعۃ کی یہی شان کہ اس طرح جھوٹے مسائل بیان کرے ایسے امام کے فتووں پر کیونکر اعتبار ہوسکتا ہے۔

(۲) فروع کافی کتاب المواریث ص۴۸ میں ہے۔

عن سلمۃ بن محرز قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ان رجلا ارمانیا مات واوصی

سلمہ بن محرز سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ ایک ارمانی شخص مرگیا اور اس نے مجھے اپنے ترکہ کا وصی

الیّ بترکتہ فقال لی وما الارمانی قلتُ نبطی من انباط الجبال مات واوصی الیّ بترکتہ وترکَ ابنۃً قال فقال لی اَعطِھا النصف قال فاخبرت بذٰلک زرارۃ فقال لی اتقاکَ انما المال لھا قال فدخلتُ علیہ بعدُ فقلتُ اصلحک اللہ انّ اصحابنا زعموا انک اتقیتنی فقال واللہ ما اتقیتک ولٰکنی اتقیتُ علیکَ ان تضمّنَ فھل عَلِمَ بذالک احدٌ قلتُ لا قال فاعطِھا ما بقِیَ۔

بنایا۔ امام نے مجھ سے پوچھا ارمانی کسے کہتے ہیں میں نے کہا ایک پہاڑی قوم کو کہتے ہیں (اور آپ کو اس سے کیا مطلب مسٔلہ تو صرف اتنا ہے کہ وہ) مرگیا اور اس نے مجھے اپنے ترکہ کا وصی بنایا اور ایک بیٹی اس نے چھوڑی امام نے مجھسے فرمایا کہ لڑکی کو نصف دیدو۔ سلمہ راوی کہتے ہیں میں نے یہ فتویٰ زرارہ سے بیان کیا تو زرارہ نے مجھ سے کہا کہ امام نے تجھ سے تقیہ کیا ہے۔ (نصف کیسا) کل مال اسی لڑکی کو ملیگا سلمہ کہتے ہیں کہ پھر میں اس کے بعد امام کے پاس گیا تو میں نے کہا اللہ آپکی حالت درست کرے ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے تقیہ کیا امام نے کہا اللہ کی قسم میں نے تم سے تقیہ نہیں کیا بلکہ تمہارے لیے تقیہ کیا کہ کہیں تاوان نہ پڑجاوے کسی کو فتوے کا علم تو نہیں ہوا میں نے کہا نہیں تو امام نے کہا کہ اچھا باقی مال بھی لڑکی کو دے دو۔

ف:۔ فروع کافی کے اسی باب میں یہی مسٔلہ سلمہ بن محرز کے بھائی عبداللہ بن محرز نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ امام نے نصف مال تو بیٹی کو دلوایا اور نصف مال غلاموں کو مگر جب عبداللہ بن محرز کو معلوم ہوا کہ امام کا یہ فتویٰ غلط ہے غلاموں کو میراث میں کچھ حصہ نہیں ملنا چاہیے تو اس نے امام سے شکایت کی کہ آپ نے مجھسے تقیہ کیا امام نے کہا نہیں میں نے تجھ کو نقصان سے بچانے کیلیے ایسا فتویٰ دیا تھا کہ اگر

کل مال بیٹی کو دیدیا جائے تو کہیں غلام تجھ سے جھگڑا نہ کریں لیکن اگر تجھے اس کا خوف نہیں ہے تو کل مال بیٹی کو دیدے۔

معلوم ہوا کہ امام نے ایک شیعہ کو ایک وہمی نقصان سے بچانے کے لیے تقیہ کر کے جھوٹا مسئالہ بیان کر دیا مگر ساتھ ہی ساتھ یہ کھٹکا دامنگیر تھا کہ کسی نے اس فتوے کو سنا تو نہیں میری غلطی کا راز فاش تو نہیں ہوا۔

شیعوں کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ائمہ معصومین اس قدر تقیہ کرتے تھے کہ کوئی مسئالہ مسائل دینیہ میں سے ایسا نہیں ہے جسمیں ائمہ نے مختلف فتوے نہ دیے ہوں۔ ان مختلف فتووں میں علمائے شیعہ جس فتوے کو چاہتے ہیں امام کا اصلی مذہب کہدیتے ہیں اور جس فتوے کو چاہتے ہیں تقیہ کہہ کر اڑا دیتے ہیں۔

علمائے شیعہ کو اس موضوع پر مستقل تصانیف کرنی پڑی ہیں جن میں سے کتاب استبصار شیعوں کے اصول اربعہ میں داخل ہے النجم کے مناظرہ حصہ چہارم میں اسی کتاب استبصار سے بہت سے مواقع ائمہ کے تقیہ کے نقل کیے جاچکے ہیں یہاں پھر اس کا اعادہ بغرض تکمیل بحث مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۳) سب سے پہلا باب اس کتاب کا ابواب المیاہ ہے اس باب کی ایک حدیث یہ ہے۔

ماروا ہ محمد بن علی بن محبوب	جو حدیث محمد بن علی بن محبوب نے عباس سے
عن العباس عن عبد اللہ بن المغیرۃ	انہوں نے عبداللہ بن مغیرہ سے انہوں نے اپنے
عن بعض اصحابہ عن ابی عبد اللہ	بعض اصحاب سے انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام
علیہ السلام قال اذا کان الماء	سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب
قدر قلتین لم ینجسہ شیئ و	پانی بقدر دو قُلّہ کے ہو تو اس کو کوئی چیز نجس

القلتان جرتان فاول ما فی	نہیں کر سکتی قُلّہ مٹکے کو کہتے ہیں پس خرابی اس
ھذا الخبر انہ مرسلٌ و یحتمل	روایت میں یہ ہے کہ مرسل ہے اور احتمال ہے کہ
ان یکون وردمورد التقیۃ	یہ حدیث بطور تقیہ کے ہو کیونکہ یہ مذہب بہت
لانہ مذھب کثیر من العامۃ	سے سنیوں کا ہے۔ (جزو اول صہ)

ف:۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ مذہب بہت سے سنیوں کا ہے لہذا امام نے انہیں سنیوں کے خوف سے ان کے موافق بیان کر دیا اصلی مذہب امام ممدوح کا یہ نہ تھا۔ اس مقام پر دیکھنے کے لائق ایک بات یہ بھی ہے کہ مسائل عرفیہ فقہیہ میں خود علمائے اہل سنت میں اختلاف رہا ہے اور برابر ایک دوسرے کے مخالف فتوے دیتے تھے کوئی کسی سے خوف نکرتا تھا پس امام کو ایک مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوئے کیا خوف لاحق تھا جو انہوں نے تقیہ کیا خاص اسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہ اور اہل کوفہ قلتین کے مخالف ہیں ان کو کچھ خوف نہ ہوا اور امام نے ڈر کر اپنے اصلی مذہب کے خلاف فتویٰ دیدیا۔

(۴) کنوؤں کے باب میں ایک حدیث یہ ہے۔

ماروا ہ احمد بن محمد عن ابن	جو حدیث احمد بن محمد نے ابن محبوب سے
محبوب عن الحسن بن صالح	انہوں نے حسن بن صالح ثوری سے انہوں
الثوری عن ابی عبد اللہ علیہ	نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی
السلام قال اذا کان الماء	ہے کہ آپ نے فرمایا جب پانی کنویں میں
فی الرکی کرا لم ینجسہ شیئ	ایک کر ہو تو اس کو کوئی چیز نجس نہیں
قلت وکم الکر قال ثلثۃ اشبار	کر سکتی میں نے پوچھا کہ کر کس قدر ہوتا ہے
ونصف طولھا فی ثلثۃ اشبار	امام نے فرمایا ساڑھے تین بالشت طول

ونصف عمقها فی ثلثة اشبار ونصف عرضها فیحتمل هذا الخبر الوجهین احدهما ان یکون المراد بالرکی المصنع الذی لا یکون له مادة بالنبع دون الآبار التی لها مادة به فان ذلک هو الذی یراعی فیه الاعتبار بالکر علی ما بیناه والثانی ان یکون ذلک قد ورد مورد التقیة لان الفقهاء من یسوی بین الآبار والغدران فی قلتها وکثرتها (جزو اول ص۱۸)

ساڑھے تین بالشت عمق ساڑھے تین بالشت عرض پس اس حدیث میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ کنویں سے وہ کنواں مراد جس میں سوت نہوں وہ کنواں مراد نہو جس میں سوت ہوں کیونکہ بے سوت کے کنویں میں کر کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حدیث بطور تقیہ کے ہو کیونکہ بعض فقہار کنوؤں اور حوضوں کو قلت اور کثرت میں برابر سمجھتے ہیں۔

ف:۔ اس مقام پر بھی یہ لطیفہ قابل غور ہے کہ جب بعض فقہار کا یہ مذہب اور بعض کا اس کے خلاف ہے تو ایک فریق سے امام کیوں ڈرے دوسرے سے کیوں نہ ڈرے اور پھر وہ فقہار باہم اختلاف کرتے ہوئے کیوں نہ ڈرتے تھے سارا خوف امام ہی کو کیوں تھا۔ تقیہ تو اس مسئلہ میں ہونا چاہیے جو مخصوصات شیعہ سے ہو کہ اصل مسالہ بتا دینے سے لوگ شیعہ سمجھ لیں گے۔ اور جو مسالہ مخصوصات شیعہ سے نہ ہو اس میں تقیہ کیسا مگر اصل تو یہ ہے کہ تقیہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کہ تقرباً الی اللہ اس کی جس قدر کثرت ہو بہتر۔

(۵) شیعوں کے یہاں مسالہ یہ قرار پایا ہو کہ پیشاب کرنے کے بعد تین

مرتبہ عضو مخصوص کو نچوڑ ڈالے بعد اس کے جس قدر قطرات نکلیں وہ پاک ہیں جسم میں کپڑے میں لگ جائیں کچھ مضائقہ نہیں دھونے کی حاجت نہیں اس مسالہ کے خلاف ایک حدیث اسی کتاب استبصار میں لکھ کر یہ جواب دیا ہے۔

ما رواه الصفار عن محمد بن عیسیٰ قال کتب الیه رجل هل یجب الوضوء مما خرج من الذکر بعد الاستبراء فکتب نعم فالوجه فیه ان نحمله علی ضرب من التقیة لانه موافق لمذاهب اکثر العامة۔ (جزو اول ص۲۶)

جو حدیث صفار نے محمد بن عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے امام باقر علیہ السلام کو لکھ کر بھیجا کہ کیا جو چیز عضو مخصوص سے بعد نچوڑ ڈالنے کے نکلتی ہے اس سے وضو واجب ہے امام نے لکھا کہ ہاں۔ تو مطلب اس کا یہ ہے کہ یا تو ہم اس حکم وضو کو استحباب پر محمول کریں نہ وجوب پر یا ہم اس کو ایک قسم کے تقیہ پر محمول کریں کیونکہ یہ مسالہ اکثر سنیوں کے موافق ہے۔

(۶) اسی کتاب کے باب الاستنجاء میں ہے۔

ما رواه احمد بن محمد عن البرقی عن وهب بن وهب عن ابی عبد الله علیه السلام قال کان نقش خاتم ابی العزة لله جمیعا وکان فی یساره یستنجی بها وکان نقش خاتم امیر المومنین علیه السلام الملک لله وکان فی یده الیسریٰ یستنجی بها فهذا الخبر محمول

جو حدیث احمد بن محمد نے برقی سے انہوں نے وہب بن وہب سے انہوں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے والد کی انگوٹھی میں یہ عبارت کندہ تھی العزۃ للہ جمیعا یہ انگوٹھی ان کے بائیں ہاتھ میں رہتی تھی اور وہ اسی سے آبدست لیتے تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کی انگوٹھی میں یہ عبارت کندہ تھی الملک للہ اور وہ انگوٹھی ان کے بائیں

علے التقیۃ ۔ (جزواول صـ۲۶) ہاتھ میں رہتی تھی اور اسی سے وہ آبدست

لیتے تھے پس یہ حدیث تقیہ پر محمول ہے۔

ف:۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تقیہ کس نے کیا آیا امام جعفر نے تقیہ کیا اور جھوٹی خبر بیان کی فی الواقع امام باقر اور حضرت علی ایسی حرکت نہ کرتے تھے یا امام باقر اور حضرت علی نے تقیہ کیا کہ ایسی نا ملائم حرکت کے مرتکب ہوئے پھر نہیں معلوم ہوتا کہ یہ تقیہ کیوں کیا اگر انگوٹھی اتار کر رکھ جاتے اور خدا کے نام کی بے ادبی نکرتے تو کون انکو مار ڈالتا اور یہ فعل تشنیع کس مذہب میں جائز ہے جس کے خوف سے تقیہ عمل میں آیا۔

(۷) شیعوں کے یہاں مسئلہ ہے کہ وضو میں سر کے مسح کے لیے جدید پانی نہ لینا چاہیے اس کے خلاف جو حدیثیں ائمہ سے مروی ہیں ان کا جواب شیخ صاحب موصوف نے اس طرح دیا ہے۔

وما رواہ الحسین بن سعید عن حماد عن شعیب عن ابی بصیر قال سألت اباعبد اللہ علیہ السّلام عن مسح الراس قلت امسح بما فی یدی من ندی راسی فقال لا بل تضع یدك فی الماء ثم تمسح فالوجہ فی ہذین الخبرین ان نحلمہما علے ضرب من التقیۃ لانہما موافقان لمذاہب کثیر من العامۃ ۔ (جزواول صـ۳۱)

اور جو حدیث حسین بن سعید نے حماد بن شعیب سے انہوں نے ابوبصیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سر کے مسح کی بابت پوچھا میں نے کہا جو کچھ تری میرے ہاتھوں میں باقی ہے اسی سے میں اپنے سر کا مسح کرلوں امام نے فرمایا نہیں بلکہ پانی میں ہاتھ ڈالو پھر سر کا مسح کرو پس مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں کیونکہ دونوں حدیثیں بہت سے سنیوں کے موافق ہیں۔

(۸) نیز اسی کتاب میں باب مسح رجلین میں بہت سی مختلف حدیثیں روایت کی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے۔

ما رواہ احمد بن محمد بن عیسیٰ عن بکر بن صالح عن الحسن بن محمد بن عمران عن زرعۃ عن سماعۃ بن مہران عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال اذا توضأت فامسح قدمیك ظاہرہما وباطنہما ثم قال ہٰکذا فوضع یدہ علے الکعب وضرب الاخریٰ علے باطن قدمیہ ثم مسحہا الی الاصابع فالوجہ فی ہذا الخبر ما ذکرنا فی باب الذی قبل ہذا من حملہ علی التقیۃ لانہ موافق لمذہب بعض العامۃ فمن یری المسح علے الرجلین ویقول باستیعاب الرجل ۔ (جزواول صـ۳۲)

اور جو حدیث احمد بن محمد بن عیسیٰ نے بکر بن صالح سے انہوں نے حسن بن محمد بن عمران سے انہوں نے زرعہ سے انہوں نے سماعہ بن مہران سے انھوں نے ابوعبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے پیروں کا مسح کرو نیچے بھی اوپر بھی انگلیوں تک بعد اس کے آپ نے اپنا ایک ہاتھ ٹخنے پر رکھا اور دوسرا ہاتھ تلوے پر رکھا اور دونوں کو انگلیوں تک لے گئے اور فرمایا کہ اس طرح مسح کیا کرو پس مطلب اس حدیث کا وہی ہے جو ہم اس سے قبل کے باب میں بیان کرچکے ہیں یعنی یہ حدیث تقیہ پر محمول ہے۔ کیونکہ بعض سنیوں کے مذہب کے موافق ہے کیونکہ سنیوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو مسح رجلین کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ پورے پیر کا مسح ہونا چاہیے۔

ف:۔ اس مقام پر عجیب ہی لطیفہ ہے اہل سنت میں کوئی بھی مسح رجلین کا قائل نہیں ہے اور اگر بالفرض کوئی غیر معروف شخص قائل بھی رہا ہو تو اس سے کیا خوف ہوسکتا ہے اور مزید لطف یہ ہے کہ مسح رجلین کا

مسئالہ بتاتے ہوئے امام کو خوف نہ آیا موضع مسح کی تحدید کرتے ہوئے خوف آگیا یہ بھی عجیب حیرت انگیز بات ہے یہ ویسی ہی مثل ہے کہ ایک شخص نے کسی بے گناہ کو قتل کر دیا تھا اور فخریہ ہر شخص سے کہتا تھا کہ میں نے فلاں شخص کو مار ڈالا لیکن جب یہ پوچھا جاتا کہ تم نے اس کو کس آلہ سے قتل کیا تو کہتا تھا کہ یہ نہ بتاؤں گا اس میں مجھے خوف ہے کہ گرفتار ہو جاؤں گا۔

(۹) نیز اس کتاب میں باب وجوب مسح رجلین میں ہے۔

ما رواہ محمد بن احمد بن یحییٰ عن احمد بن الحسن بن علی بن فضال عن عمر بن سعید المدائنی عن مصدق بن صدقہ عن عمار بن موسیٰ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل یتوضأ الوضوء کلہ الا رجلیہ ثم یخوض الماء بھما خوضاً قال اجزاہ ذلک فھذا الخبر محمول علی حال التقیۃ فاما مع الاختیار فلا یجوز الا المسح علیھما علی ما بیناہ۔ (جزو اول ص۲۵)

جو حدیث محمد بن احمد بن یحییٰ نے احمد بن حسن بن علی بن فضال سے انہوں نے عمر بن سعید مدائنی سے انہوں نے مصدق بن صدقہ سے انہوں نے عمار بن موسیٰ سے انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ کوئی شخص پورا وضو کرے پیروں پر مسح نہ کرے پھر پیروں کو پانی میں غوطہ دے امام نے فرمایا اس کو یہی کافی ہے پس یہ حدیث حالت تقیہ پر محمول ہے۔ مگر بغیر تقیہ صرف مسح کرنا چاہیے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور سنیے اسی باب کی ایک حدیث یہ ہے۔

ما رواہ احمد بن الحسن الصفار عن عبد اللہ بن منبہ عن الحسین

جو حدیث احمد بن حسن صفار نے عبد اللہ بن منبہ سے انھوں نے حسین بن علوان

بن علوان عن عمر بن خالد عن زید بن علی عن آبائہ عن علی علیہ السلام قال جلست اتوضأ فاقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ حین ابتدات فی الوضوء فقال لی تمضمض واستنشق واستن ثم غسلت وجھی ثلاثا فقال قد یجزیک من ذلک المرتان فغسلت ذراعی ومسحت براسی مرتین فقال قد یجزیک من ذلک المرۃ وغسلت قدمی فقال یا علی خلل بین الاصابع لا تخلل بالنار فھذا خبر موافق للعامۃ وقد ورد مورد التقیۃ لان المعلوم الذی لا یتخالج فیہ الشک من مذاھب ائمتنا علیھم السلام القول بالمسح علی الرجلین وذلک اشھر من ان یدخل فیہ الشک والارتیاب

سے انہوں نے عمر بن خالد سے انہوں نے زید بن علی سے انہوں نے اپنے باپ دادا سے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں وضو کرنے بیٹھا اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا مجھ سے کلی کرو اور ناک میں پانی ڈالو اور مسواک کرو پھر میں نے تین مرتبہ اپنا منہ دھویا تو آپ نے فرمایا دو ہی مرتبہ دھونا کافی تھا پھر میں نے اپنی کہنیاں دھوئیں اور دو مرتبہ سر کا مسح کیا آپ نے فرمایا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا کافی تھا پھر میں نے اپنے پیر دھوئے تو آپ نے فرمایا کہ انگلیوں کا خلال کرو تاکہ آگ میں نہ ڈالی جائیں پس یہ حدیث سنیوں کے موافق ہے اور بطور تقیہ کے ہی کیونکہ ہمکو جو اپنے ائمہ کا مذہب یقینی طور پر معلوم ہے وہ یہی ہے کہ وہ مسح رجلین کے قائل تھے یہ بات بہت مشہور ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ (جزو اول ص۳۴)

ف:۔ اس حدیث میں معلوم نہیں تقیہ کس نے کیا آیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تقیہ کیا اور ایک غلط مسئالہ حضرت علی کو تعلیم کیا یا حضرت علی

نے تقیہ کر کے (معاذ اللہ) رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جھوٹی حدیث بیان کردی یا بعد والے کسی راوی نے تقیہ کر کے حضرت علی پر افترا کر لیا۔

دوسری بات شیخ صاحب کے کلام سے یہ معلوم ہوئی کہ جو بات یقینی طور سے معلوم ہو جائے اس کے خلاف کوئی روایت مقبول نہیں ہوتی یہ بات اگرچہ فی نفسہ عمدہ اور قابل قبول ہے مگر افسوس کہ حضرات شیعہ اپنی کسی بات کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ یہ بات ائمہ کی ہم کو قطعی طور سے معلوم ہے کیونکہ ان کے علم کا ذریعہ یہی روایتیں ہیں ان کے سوا کچھ نہیں ہے اور روایتیں سب برابر کوئی بھی ان میں سے قطعی نہیں ہے جیسا کہ اصولیین کا اس پر اتفاق ہے ہاں اہلسنت البتہ ایسا کہہ سکتے ہیں کیونکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و اعمال کے معلوم کرنے کا ذریعہ علاوہ کتابی روایتوں کے ایک دوسرا اور بھی ہے وہ کیا ہے عمل ائمہ و مجتہدین کا یہاں تقیہ تو ہے نہیں کہ ڈر کے مارے کھل کر اعمال مذہبی ادا نہ کر سکتے ہوں یا بخلاف اپنے علم و اعتقاد کے عمل کریں خیر اس مبحث کو ہم آئندہ بھی لکھیں گے۔

(۱۰) اسی کتاب میں وجوب موالات کے متعلق یہ حدیث ہے۔

ما رواه محمد بن احمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن ابیه عن عبد الله بن مغیرة عن حریز فی الوضوء یجف قال قلت فان جف الاول قبل ان اغسل الذی یلیه قال جف او لم یجف اغسل ما بقی قلت و

جو حدیث محمد بن احمد بن یحییٰ نے احمد بن محمد سے انھوں نے اپنے والد سے انہوں نے عبد اللہ بن مغیرہ سے انہوں نے حریز سے وضو کے متعلق روایت کی ہے کہ اگر کچھ اعضاء خشک ہو جائیں قبل اس کے کہ باقی اعضاء دھوئے جائیں تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جو اعضا

كذلك غسل الجنابة قال هو بتلك المنزلة وابدأ بالراس ثم افض علیٰ سائر جسدك قلت وان كان بعض یوم قال نعم فالوجه فی هٰذا الخبر انه اذا لم یقطع المتوضی وضوءه وانما تجففه الریح الشدیدة او الحر العظیم فعند ذٰلك لا یجب علیه اعادته وانما تجب الاعادة فی تفریق الوضوء مع اعتدال الوقت والهواء ویحتمل ایضاً ان یكون ورد مورد التقیة لانه مذهب كثیر من العامة۔ (تہذیب جزو اول ص ۳)

باقی رہ گئے ہیں ان کو دھو لو راوی کہتا ہے میں نے پوچھا کہ غسل جنابت کا یہی حال ہے امام نے فرمایا ہاں اور غسل میں پہلے سر پر پانی ڈالو پھر باقی جسم پر میں نے پوچھا کہ اگرچہ اعضاء کے دھونے میں بقدر بعض حصے دن کے فصل واقع ہو جائے تب بھی خشک شدہ اعضاء کے دھونے کی ضرورت نہیں امام نے فرمایا ہاں پس مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ متوضی اپنا وضو قطع نہ کرے بلکہ سخت ہوا کے باعث یا گرمی کے سبب سے اعضاء خشک ہو جائیں تو اعادہ وضو کی ضرورت نہیں اعادہ اس وقت واجب ہے جبکہ باوجود اعتدال وقت ہوا کے وضو کرنے میں تفریق کر دی (مثلاً منہ دھونے کے بعد کچھ اور کام کرنے لگے اس کے بعد ہاتھ دھوئے اور اس درمیان میں منہ خشک ہو چکا ہوں) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث بطور تقیہ کے ہو کیونکہ موالات کا واجب ہونا اکثر سنیوں کا مذہب ہے۔

ف: شیخ صاحب نے اس حدیث کی دو تاویلیں کیں اول یہ کہ امام نے جو یہ حکم دیا کہ باوجود خشک ہو جانے اعضاء کے صرف باقی اعضا کا دھو لینا کافی ہے وضو کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہ حکم صرف اس صورت کے لیے ہے جبکہ ہوا وغیرہ کی وجہ سے اعضا خشک ہو جائیں نہ تفریق کی وجہ سے دوم یہ کہ امام نے یہ حکم بطور تقیہ کے دیدیا ہو۔ تاویل اول کی حقیقت یہ ہے کہ خود اسی حدیث میں موجود ہے کہ راوی نے کہا وان كان بعض یوم جس سے

صاف ظاہر ہے کہ تفریق کی وجہ سے جو خشکی اعضا میں آجائے وہ بھی قابل لحاظ نہیں اور اعادہ وضو کی ضرورت نہیں باوجود اس صاف و صریح لفظ کے پھر یہ تاویل کرنا حضرات شیعہ کے سوا کس سے ہوسکتا ہے اگر کہا جائے وان کان بعض یوم کا تعلق صرف غسل جنابت سے ہے تو اولاً غسل جنابت اور وضو میں مابہ الفرق کیا ہے ثانیاً غسل جنابت کا ذکر تو بطور جملہ معترضہ کے ہے اصل استفسار سائل کا وضو کے متعلق ہے غایت مافی الباب یہ ہے کہ یہ جملہ وضو اور غسل جنابت دونوں سے متعلق ہو۔

تاویل دوم کی حالت یہ ہے کہ خود اہلسنت اس بارے میں مختلف ہیں امام مالکؒ جو خاص مدنی ہیں یعنی امام جعفر صادق کے ہم وطن ہیں وجوب موالات کے قائل ہیں پس تعجب ہے کہ امام مالک کو وجوب موالات کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے کچھ خوف نہ آیا اور امام جعفر صادق اس مسئلہ کے بیان کرنے سے ڈر گئے معلوم نہیں اس میں کیا خوف تھا۔

(۱۱) نیز اسی کتاب میں نواقض وضو کی بحث میں ہے۔

وما رواه محمد بن علی بن محبوب عن محمد بن عبد الجبار عن الحسن بن علی بن فضال عن صفوان عن منصور عن ابی عبیدة الحذاء عن ابی عبد الله علیه السّلام قال الرعاف والقئ والتخلیل یسیل الدم اذا استکرهت شیئاً ینقض الوضوء وان لم تستکرهه لم ینقض الوضوء

اور جو حدیث محمد بن علی بن محبوب نے محمد بن عبدالجبار سے انہوں نے حسن بن علی بن فضال سے انہوں نے صفوان سے انہوں نے منصور سے انہوں نے ابو عبیدہ خداء سے انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ امام نے فرمایا نکسیر اور قے سے اور خلال کرنے سے اگر خون نکل آئے تو اگر تمہیں کراہیت پیدا ہو تو وضو ٹوٹ جائیگا ورنہ

فهذن الخبران یحتملان وجهین احدهما ان یکون وردا مورد التقیة لان ذلک مذهب بعض العامة۔ (جزو اول ص۴۲)

نہیں۔ پس یہ دونوں حدیثیں دو مطلب کا احتمال رکھتی ہیں اول یہ کہ بطور تقیہ کے ہوں کہ یہ بعض سنیوں کا مذہب ہے۔

ف:۔ اس حدیث میں تقیہ کا عجب لطیفہ ہے اگر امام کا اصلی مذہب یہ تھا کہ قے سے اور خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس کے بیان کرنے میں امام کو کیا خوف تھا خود اہلسنت میں بھی بعض ائمہ کا یہی مذہب ہے امام شافعیؒ بھی اس کے قائل ہیں امام مالکؒ بھی اسی طرف ہیں اور یہ تو اہلسنت میں کسی کا بھی مذہب نہیں ہے کہ کراہیت پیدا ہو تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

(۱۲) نیز اسی کتاب کی بحث مذکور میں ہے۔

ما رواه الحسین بن سعید عن اخیه الحسن عن زرعة عن سماعة قال سألته عما ینقض الوضوء قال الحدث تسمع صوته او تجد ریحه والقرقرة فی البطن الا شیئ تصبر علیه والضحک فی الصلوٰة والقئ فالوجه فی هذن الخبران نحمله علی ضرب من الاستحباب او علی الضحک الذی لا یملک معه نفسه ولا یامن ان یکون

جو حدیث حسین بن سعید نے اپنے بھائی حسن سے انہوں نے زرعہ سے انہوں نے سماعہ سے روایت کی کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے نواقض وضو پوچھے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ حدث جسکی آواز سنی جائے یا بو محسوس ہو اور جو قراقر شکم میں ہو سوا اس کے تم اسکو روک لو اور نماز میں ہنسنا اور قے پس مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ ہم انکو استحباب پر محمول کریں یا ہنسی سے وہ ہنسی مراد لیں جس میں آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے اور اس بات کا اندیشہ

قد احدث ویحتمل ان یکون الخبران وردا مورد التقیۃ لانھما موافقان لمذاھب بعض العامۃ (ج اول صـ۴۴)

ہوتا ہے کہ حدث ہو گیا ہو اور یہ بھی احتمال ہو کہ یہ دونوں حدیثیں بطور تقیہ کے ہوں کیونکہ یہ بعض سنیوں کا مذہب ہے۔

ف:- پہلی تاویل بھی عجیب و غریب ہے امام تو ہنسی کو نواقض وضو میں شمار کرتے ہیں اور شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ نماز میں ہنسنے کے بعد وضو مستحب ہے، اگر الفاظ حدیث اس طرح ہوتے کہ نماز میں ہنسنے سے وضو کرنا چاہیے یا وضو کر لیا کرو تو البتہ اس تاویل کی گنجائش تھی۔ آخری تاویل تقیہ والی جس سے ہماری بحث متعلق ہے ویسی ہی لطیف ہے جیسے سابق ہیں اور تاویلیں گذر چکیں کیونکہ نماز میں ہنسنے سے وضو کا نہ ٹوٹنا اکثر ائمہ اہلسنت کا مذہب ہے امام مالک امام شافعی امام احمد تینوں اسی طرف ہیں صرف حنفیہ کے نزدیک نماز میں ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں امام کو کیا خوف لاحق تھا کہ انہوں نے تقیہ کر کے اپنے اصلی مذہب کے خلاف نماز میں ہنسنے کو ناقض وضو کہدیا۔

(۱۳) نیز اسی کتاب کے بحث غسل میں ہے۔

عن عمر بن یزید قال اغتسلت یوم الجمعۃ بالمدینۃ ولبست ثیابی وتطیبت فمرت بی وصیفۃ فخذت لھا فامذیت انا وامنت ھی فدخلنی من ذالک ضیق فسالت اباعبداللہ علیہ السّلام عن ذلک فقال لیس علیک وضوء ولا علیھا غسل۔ جزء اول صـ۳۰

عمر بن یزید سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے جمعہ کے دن مدینہ میں غسل کیا اور کپڑے پہنے خوشبو لگائی اس کے بعد ایک لونڈی میرے پاس آئی میں نے اس کی ران میں عضو مخصوص رکھا تو میری مذی خارج ہو گئی اور عورت کو انزال ہو گیا اس سبب سے میرے دل میں تردد واقع ہوا اور میں نے امام جعفر صادق

سے اس کو جا کر پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ تیرے اوپر وضو واجب ہے نہ اس عورت پر غسل واجب ہے۔

ف:- اس حدیث میں تو عجیب ہی مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے جس کے نہ سنی قائل نہ شیعہ غالبًا قدمائے شیعہ قائل ہوں گے کیونکہ شہوت پرستی کی توسیع میں یہ حدیث پوری مدد دیتی ہے مگر اب تو کوئی شیعہ بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ خروج منی سے غسل نہ واجب ہو۔ شیخ صاحب کو اس حدیث میں بڑی دقت پیش آئی اور باوجود شیخ الطائفہ ہونے کے سخت پیچ و تاب میں گرفتار ہو گئے ہیں کہ کیا تاویل کریں اگر کسی سنی کا مذہب اس کے موافق ہوتا تو فورًا تقیہ پر رکھ کر حدیث اڑا دیتے مگر اب کیا کریں بالآخر ایک نہایت ہی لطیف بات آپ نے ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

فالوجہ فی ھذا الخبر انہ یجوز ان یکون السامع قد وھم فی سماعہ وانہ انما قال امذت فوقع لہ امنت فرواہ علی ما ظن ویحتمل ان یکون انما اجابہ علیہ السّلام علی حسب ما ظھر لہ فی الحال منہ وعلم انہ اعتقد فی جاریتہ انھا امنت ولم یکن کذلک فاجابہ علیہ السّلام علی ما یقتضیہ الحکم لا علی اعتقادہ۔ (جزء اول صـ۵۳)

اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ ممکن ہو کہ راوی کے سننے میں وہم ہو گیا ہو۔ عمر بن یزید نے امذت (یعنی اس عورت کے بھی مذی خارج ہوئی) کہا ہو۔ راوی نے امنت (یعنی اس عورت کے منی خارج ہوئی) سمجھا اور اپنی سمجھ کے موافق روایت کر دی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ امام نے امر واقعی کے موافق جواب دیا ہو امام کو معلوم ہو گیا ہو کہ عمر بن یزید نے غلطی سے سمجھ لیا کہ اس عورت کے منی خارج ہوئی فی الواقع اسکے منی خارج نہوئی تھی لہٰذا امام نے اسکے اعتقاد کے موافق جواب نہ دیا بلکہ امر واقعی کے موافق جواب دیا۔

ف:۔ سبحان اللہ یہ لطیفہ تو تقیہ سے بھی بڑھ گیا امام نے اسی طرح امر واقعی کے موافق جواب دے دیکر نہ معلوم کتنے بندگانِ خدا کو گمراہ کیا ہو گا اور نہ معلوم کس قدر حدیثیں امام کی ایسی ہوں گی جن میں بوجہ اس کے کہ امام نے امر واقعی کے موافق مسئالہ بتایا ہو گا اور راویوں کو غلطی ہوئی ہوگی۔ عمر یزید تو یہی سمجھا ہو گا کہ خروج منی سے غسل واجب نہیں ہوتا اگر امام کو اپنی غیب دانی پر اتنا ہی بھروسہ تھا تو بیچارے عمر بن یزید کو بھی متنبہ کر دیتے کہ تو غلط سمجھا ہے اس عورت کے منی نہیں خارج ہوئی اس کے بعد یہ مسئلہ بتاتے وہ بیچارہ گمراہ تو نہوتا۔

گو یہاں ہمکو تقیہ کی احادیث کا نقل کرنا مقصود ہے مگر چونکہ اس حدیث میں تقیہ کا مفاد پورا پورا بلکہ اس سے بھی زیادہ موجود ہے لہٰذا ہم نے اس کو نقل کر دیا۔

(۱۴) نیز اسی کتاب کے اسی باب میں ہے۔

ما رواہ الحسین بن سعید عن ابن ابی عمیر عن حفص بن سوقہ عمن اخبرہ قال سالت ابا عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل یاتی اھلہ من خلفھا قال ھو احد المابتین فیہ الغسل فلا ینافی الاخبار الاولۃ لان ھذا الخبر مرسل مقطوع مع انہ خبر واحد وما

جو حدیث حسین بن سعید نے ابن ابی عمیر سے انہوں نے حفص بن سوقہ سے انھوں نے اور کسی شخص سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا تھا میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ پیچھے سے صحبت کرے امام نے فرمایا کہ جماع کے دو مقاموں میں سے ایک مقام وہ بھی ہے اور اس صورت میں بھی غسل ضروری ہے پس یہ حدیث پہلی حدیثوں کے منافی نہیں ہے کیونکہ

ھذا حکمہ لا یعارض فیہ الاخبار المسندۃ علی انہ یمکن ان یکون ورد مورد التقیۃ لانہ موافق لمذاہب العامۃ۔ (جزو اول ص۵۶)

یہ حدیث مرسل اور مقطوع ہے اور ساتھ ہی اس کے خبر واحد بھی ہے پس وہ ان احادیث کی کیونکر معارض ہو سکتی ہے جو مع السند مروی ہوں پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث بطور تقیہ کے ہو کیونکہ یہ مسئلہ سنیوں کے مذہب کے موافق ہے

ف:۔ یہاں بھی تقیہ میں اس قدر لطف ضرور ہے کہ فروع میں برابر ائمہ اہلسنت اختلاف کرتے رہتے ہیں اس میں تقیہ کیسا۔ اس حدیث کے متعلق ضمناً ایک بات اور بھی خیال کرنے کی ہے پیچھے سے کرنا جس کو لواطت کہتے ہیں ایسی قبیح حرکت ہے کہ شرع مقدس سے قطع نظر کر کے عقل اور لطافت طبع انسانی بھی اس کو نہایت مکروہ جانتی ہے حتیٰ کہ نصاریٰ کے قوانین سلطنت میں بھی اس کو جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کو خلاف وضع فطرت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اہل سنت بالاتفاق قائل ہیں کہ یہ فعل شنیع قطعاً حرام ہے احادیث میں اس پر وعید وارد ہوئی ہے مگر حضرات شیعہ کے یہاں جہاں شہوت پرستی کے اور ذرائع ایجاد کیے گئے ہیں وہاں ایک طریقہ اس کا یہ بھی نکالا گیا ہے کہ مرد کے ساتھ نہ سہی تو کم از کم عورت کے ساتھ اس ناپاک فعل کا جواز انہوں نے ائمہ سے روایت کر لیا (حاشا جنابہم عن ذلک) اور شوق سے بے کھٹکے اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ آسانی بھی پیدا کی گئی کہ اس فعل سے غسل بھی واجب نہیں ہوتا۔ ہاں اگر انزال ہو جائے تو انزال کی وجہ سے غسل کرنا پڑے گا نہ کہ اس فعل کے باعث۔ اب ایک حدیث جو اس کے خلاف وارد ہوئی اور اس میں اس فعل کو

موجب غسل قرار دیا گیا تو شیعہ محدثین کو کیسے چین آتا لہٰذا شیخ صاحب نے فوراً تقیہ کے پہلو پر رکھ کر حدیث کو اڑا دیا۔

(۱۵) نیز اسی کتاب کے ابواب نجاست میں ہے۔

ما رواہ احمد بن یحییٰ عن محمد بن عیسیٰ عن فارس قال کتب الیہ رجل یسالہٗ عن ذرق الدجاج یجوز الصلوٰۃ فیہ فکتب لا فالوجہ فی ہٰذہ الروایۃ انہ لا یجوز الصلوٰۃ فیہ اذا کان الدجاج جلالاً ویجوز ایضاً ان یکون محمولاً علیٰ ضرب من الاستحباب او محمولاً علی التقیۃ لان ذٰلک مذہب کثیر من العامۃ۔

جو حدیث احمد بن یحییٰ نے محمد بن عیسیٰ سے انھوں نے فارس سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے امام باقر علیہ السلام کو لکھا کہ مرغی کی بیٹ میں نماز جائز ہے امام نے جواب لکھا کہ نہیں۔ پس تاویل اس حدیث کی یہ ہے کہ نماز اس وقت جائز نہیں جبکہ مرغی کھلی ہوئی پھرتی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک قسم کا استحباب مراد لیا جائے یا یہ حدیث تقیہ پر محمول کیجائے کیونکہ یہ بہت سے سنیوں کا مذہب ہے۔ (جزو اول ص۸۹)

ف:۔ حضرات شیعہ کے یہاں مرغی کی بیٹ کپڑے میں، بدن میں لگی ہو کچھ حرج نہیں، دھونے کی حاجت نہیں ہے، یہ حدیث اس کے خلاف تھی لہٰذا تقیہ پر رکھ کر اڑا دی گئی۔

(۱۶) نیز اسی کتاب کے ابواب مذکورہ میں ہے۔

ما رواہ الحسین بن سعید عن عثمان بن عیسیٰ عن سماعۃ قال سالتہ عن بول السنور والکلب

جو حدیث عیسیٰ بن سعید نے عثمان بن عیسے سے انھوں نے سماعۃ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے امام جعفر یا باقر سے

والحمار والفرس فقال کابوال الانسان فالوجہ فی ہٰذا الخبر ان نحمل قولہ کابوال الانسان علیٰ انہ راجع الی بول السنور والکلب لانہما مما لا یوکل لحمہما ویجوز ان یکون الوجہ فی ہٰذہ الاحادیث ایضاً ضرباً من التقیۃ لانہما موافقۃ لمذاہب بعض العامۃ (جزو اول ص۹۰)

بلی اور کتے اور گدھے اور گھوڑے کے پیشاب کا مسئلہ پوچھا امام نے فرمایا انسان کے پیشاب کے مثل ہیں۔ پس تاویل اس حدیث کی یہ ہے کہ صرف بلی اور کتے کا پیشاب مراد لیا جائے کیونکہ یہی دونوں ایسے ہیں کہ ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ان احادیث میں بھی کچھ تقیہ ہو کیونکہ یہ حدیثیں بعض سنیوں کے مذہب کے موافق ہیں۔

ف:۔ سبحان اللہ کیسی نفیس تاویلات ہیں حدیث میں تو چار چیزوں کا ذکر ہے بلی، کتا، گدھا، گھوڑا۔ چاروں کے پیشاب کو انسان کے پیشاب کے مانند نجس کہا گیا ہے مگر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم صرف دو ہی چیزیں مراد لیں گے۔ مراد لینے کی ایک ہی رہی زمین سے آسمان مراد لے لیجئے آپ کو اختیار ہے بقول[1] ایک نافہم نکتہ چین کے شیعوں کو اختیار ہے اپنے امام کے کلام میں جس لفظ سے جو چاہیں مراد لیں۔

(۱۷) نیز اسی کتاب کے اسی باب میں ہے۔

ما رواہ احمد بن محمد بن یحییٰ

جو حدیث احمد بن محمد بن یحییٰ نے غیاث سے

---

[1] ایڈیٹر الشمس کی قابلیت کے نمونے جہاں بہت کچھ دکھائے جا چکے ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے شیعوں کی کتابوں سے جو احادیث تحریف قرآن کی نقل کی گئیں تھیں ان کے جواب میں شیعہ اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جس میں یہ مضمون ہے کہ قرآن کے خلاف کوئی حدیث نہ ماننی چاہیے بجواب اس کے میں نے لکھا تھا کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ شان ائمہ نے قرآن موجود کی

بقیہ

عن غیاث عن جعفر عن ابیہ
علیہما السلام قال لا بأس بدم
البراغیث والبق وبول الخشاشیف
فالوجہ فی ھذہ الروایۃ
ان نحملہا علی ضرب من التقیۃ
لانہا مخالفۃ لاصول المذاھب۔

انہوں نے جعفر صادق سے انہوں نے اپنے والد
سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا پسّو
اور مچھر اور چمگادڑ کے پیشاب میں کچھ حرج
نہیں پس تاویل اس کی یہ ہے کہ ہم اس
روایت کو تقیہ پر محمول کریں کیونکہ یہ روایت
تمام مذاہب کے اصول کے خلاف ہے۔

ف:۔ سبحان اللہ یہ نیا تقیہ ہے ابھی تک تو یہ معلوم تھا کہ مذہب مخالف سے ڈر کر اس کے موافق بات کہدینے میں تقیہ ہوتا تھا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمام مذاہب کے خلاف ایک بات کہدی جائے معلوم نہیں اس تقیہ میں کیا مصلحت ہے اور یہ تقیہ کس کے خوف سے تھا۔

(۱۸) نیز اسی کتاب کے بحث صلوٰۃ میں ہے۔

ما رواہ احمد بن محمد بن عیسیٰ
عن علی بن الحکم عن علی بن ابی
حمزۃ عن ابی بصیر قال قلت
لابی عبد اللہ علیہ السّلام متی
اصلی رکعتی الفجر قال لی
بعد طلوع الفجر قلت لہ ان ابا
جعفر علیہ السلام امرنی ان

جو حدیث احمد بن محمد بن عیسیٰ سے علی بن حکم
سے انھوں نے علی بن ابی حمزہ سے انھوں نے
ابو بصیر سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے
میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا
کہ سنت فجر کس وقت پڑھوں امام نے مجھ
سے فرمایا کہ بعد طلوع فجر کے میں نے ان سے
کہا کہ امام باقر علیہ السلام نے تو مجھے حکم دیا تھا

(بقیہ صلا کا) بیان کی ہو۔ ایڈیٹر الشمس لکھتے ہیں کہ وہ ہمارے امام ہیں ہمکو بتادیا ہے کہ یہ مراد ہے ۱۲۔

اصلیہا قبل طلوع الفجر فقال یا ابا
محمد ان الشیعۃ اتوا ابی مسترشدین
فافتاھم بمر الحق واتونی
شکاکاً فافتیتھم بالتقیۃ۔

کہ قبل طلوع فجر کے پڑھا کرو تو امام صادق نے
فرمایا کہ اے ابو محمد میرے والد کے پاس
شیعہ ہدایت حاصل کرنے کیلیے آئے تھے
لہٰذا میرے والد نے انھیں صحیح صحیح مسئلہ
بتادیا اور میرے پاس شک کرتے ہوئے آئے تو میں نے
ان کو تقیہ سے فتویٰ دیا۔ (جزو اول ص۱۴۵)

ف:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرات ائمہ اپنے شیعہ مخلصین سے بھی تقیہ کرتے تھے اب فرمایئے شیعون کے فن حدیث کی کیا حالت ہوگئی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کرام سنیوں سے تقیہ کیا کرتے تھے مگر اب خود انہیں کے اصول اربعہ کی یہ حدیث بتا رہی ہے کہ خود شیعوں سے بھی تقیہ ہوتا تھا اور شیعہ بھی کون شیخ ابو بصیر جس کی روایت پر تقریباً ایک ربع فن حدیث کا دار و مدار ہے جب ایسے رکن رکین سے بھی تقیہ ائمہ نے کیا تو اوروں کی حالت کیا سمجھی جائے۔ یہ بھی عجیب لطیفہ ہے کہ امام صادق فرماتے ہیں میرے پاس شیعہ شک کرتے ہوئے آئے اس وجہ سے میں نے انہیں صحیح مسئالہ نہ بتایا تقیہ کرلیا۔ اے صاحب جو کوئی شک کرتا ہوا آئے اس کو تو اور بھی صاف صاف صحیح مسئالہ بتانا چاہیے تاکہ اس کا شک دفع ہوجائے۔ شیخ جی ابو بصیر کی عجب حالت اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے جب ان کو یہ مسئالہ امام باقر علیہ السلام سے معلوم ہوچکا تھا تو ان کو کیا ضرورت تھی کہ پھر امام صادق سے اسی مسئالہ کو انہوں نے پوچھا۔ شاید امام کا امتحان لینا مقصود ہو انہیں بے ادب شیعون نے ائمہ کرام پر افترا کیے اور

تو دہ وطومار حدیثیں گڑھ کر ان کی طرف منسوب کر دیں۔

(۱۹) نیز اسی کتاب کی بحث اذان میں ہے۔

مارواہ الحسین بن سعید عن فضالۃ عن العلاء عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان ابی ینادی فی بیتہ بالصلوٰۃ خیر من النوم ولو رددت ذلک لم یکن بہ باس وما اشبہ ھذین الخبرین مما یتضمن ذکر ھذہ الالفاظ فانھا محمولۃ علی التقیۃ۔ (جزو اول صہ۱)

حسین بن سعید نے نضالہ سے انہوں نے علاء سے انہوں نے محمد بن مسلم سے انھوں نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میرے والد امام زین العابدین اپنے گھر میں اذان صبح کے اندر الصلوٰۃ خیر من النوم کہتے تھے اور اگر میں اس کو نہ کہوں تب بھی کچھ حرج نہیں۔ اس قسم کی جس قدر حدیثیں ہیں جن میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا ذکر ہے سب تقیہ پر محمول ہیں۔

ف:۔ کیوں صاحب گھر کے اندر تقیہ کیسا امام کو کس نے مجبور کیا تھا کہ گھر کے اندر اپنے اذان دیجیے اور ان الفاظ کو کہیے پھر معلوم نہیں یہ تقیہ کس کا ہے امام باقر کا کہ انھوں نے اپنے والد پر غلط افترا کیا یا امام زین العابدین کا کہ انھوں نے ایک خلاف حق عمل کا ارتکاب کیا۔

(۲۰) نیز اسی کتاب کی بحث مذکور میں ہے۔

مارواہ محمد بن علی بن محبوب عن علی بن السندی عن حماد عن حریز عن محمد بن مسلم قال سالت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الرجل یکون اماما یستفتح

جو حدیث محمد بن علی بن محبوب نے علی بن سندی سے انھوں نے حماد سے انھوں نے حریز سے انہوں نے محمد بن مسلم سے روایت کی ہے انہوں نے کہا میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کوئی شخص امام ہو وہ

بالحمد ولا یقول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قال لا یضرہ ولا باس بذلک فالوجہ فیہ ان نحملہ علی حال التقیۃ۔ (جزو اول صہ۹)

الحمد سے نماز شروع کرے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ کہے تو کیسا ہے امام نے فرمایا کچھ مضر نہیں اس میں کچھ حرج نہیں پس تاویل اس کی یہ ہے کہ ہم اس کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔

ف:۔ حضرات شیعہ کے یہاں نماز میں بسم اللہ بآواز بلند کہنا چاہیے اس حدیث جو اس کے خلاف مروی ہوا تو تقیہ کہہ کر اڑا دیا گیا مگر حیرت ہے کہ یہ تقیہ کیسا خود اہل سنت میں بعض ائمہ بسم اللہ بآواز بلند کہنے کے قائل ہیں پھر کیا خوف تھا جسکی وجہ سے تقیہ کیا گیا۔

(۲۱) اسی کتاب کے اسی باب میں ہے۔

مارواہ احمد بن محمد عن احمد بن اسحاق عن یاسر الخادم قال مر بی ابو الحسن علیہ السلام وانا اصلی علی الطبری وقد القیت علیہ شیئاً اسجد علیہ فقال لی مالک لا تسجد علیہ الیس ھو من نبات الارض فالوجہ فی ھذا الخبر ان نحملہ علی حال التقیۃ۔

جو حدیث احمد بن محمد نے احمد بن اسحاق سے انھوں نے یاسر خادم سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے امام ابو الحسن علیہ السلام کا گذر میری طرف سے ہوا میں طبری (ایک قسم کی چٹائی) پر نماز پڑھ رہا تھا اور اس پر میں نے کوئی چیز سجدہ کرنے کے لیے رکھ لی تھی تو امام نے فرمایا کہ تم طبری پر کیوں سجدہ کیوں نہیں کرتے کیا وہ زمین کی نبات نہیں ہے۔ پس تاویل اس حدیث کی یہ ہے کہ ہم اسکو تقیہ کی حالت پر محمول کرتے ہیں۔ (جزو اول صہ۱۶۸)

ف:۔ اس مقام پر دو حدیثیں اور سن لیجئے جن سے آپ کو ائمہ شیعہ کی عجیب وغریب حالت ظاہر ہو گی پہلی حدیث اسی کتاب استبصار

کے بیان جمعہ میں اس طرح ہے۔

الحسين بن سعيد عن صفوان عن عبد الله بكير عن ابي بصير قال دخلت على ابي عبد الله في يوم الجمعة وقد صليت الجمعة والعصر فوجدته قد باهى يعني من الباءة اى جامع فخرج الي في ملحفة ثم دعى جاريته فامرها ان تضع له ماتصبه فقلت له اصلحك الله مااغتسلت فقال مااغتسلت بعد ولاصليت فقلت له فقد صليت الظهر والعصر جميعا قال لاباس۔ جز واول ص۲۰

حسین بن سعید نے صفوان سے انھوں نے عبداللہ بن بکیر سے انہوں نے ابوبصیر سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں امام جعفر صادق کے پاس جمعہ کے دن نماز جمعہ اور نماز عصر پڑھنے کے بعد گیا تو میں نے ان کو اس حالت میں پایا کہ وہ جماع کر چکے تھے اور ایک چادر اوڑھے ہوئے باہر نکل آئے بعد اس کے اپنی لونڈی سے کہا کہ نہانے کے لیے پانی رکھدے میں نے کہا اللہ آپ کی حالت درست کرے کیا آپنے ابھی تک غسل نہیں کیا امام نے فرمایا کہ میں نے تو نہ ابھی تک غسل کیا نہ نماز پڑھی۔ میں نے کہا میں تو ظہر و عصر دونوں کی نماز پڑھ آیا ہوں امام نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔

عجب لطیفہ کی بات ہے جمعہ کی نماز غائب ہو گئی اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ شیخ صاحب نے اس حدیث میں تاویل کی ہے کہ شاید امام کو کوئی ضرورت رہی ہوگی مگر کیا وہ ضرورت صرف نماز کو مانع تھی خلوت خاص کو مانع نہ تھی کیا یہی امام مفترض الطاعة تھے جن کو فریضۂ نماز کے فوت ہو جانے کا بھی کچھ خیال نہ تھا لو فرضا کسی ضرورت شدیدہ سے نماز قضا بھی ہو گئی تھی تو

اس پر بجائے افسوس کے فرماتے ہیں کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ سبحان اللہ

دوسری حدیث اسی کتاب کے بغیر وضو نماز پڑھانے کے بیان میں ہے۔

علي بن الحكم عن عبد الرحمن العرزمي عن ابي عبد الله عليه السلام قال صلى علي عليه السلام بالناس على غير طهر وكانت الظهر فخرج مناديه ان امير المومنين عليه السلام صلى على غير طهر فاعيدوا وليبلغ الشاهد الغائب۔ (جز واول ص۱۹۸)

علی بن حکم نے عبدالرحمن عرزمی سے انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ علی علیہ السلام نے ایک مرتبہ بے وضو نماز پڑھادی اور وہ ظہر کا وقت تھا پس ان کا منادی یہ اعلان کرتا ہوا نکلا کہ امیر المومنین نے اس وقت بغیر وضو نماز پڑھادی ہے پس تم لوگ کو چاہیے کہ نماز کا اعادہ کرلو اور حاضر کو چاہیے کہ غائب کو یہ خبر پہونچا دے۔

اب ذرا ملاحظہ کیجئے کہ کہاں وہ عصمت کا افسانہ کہ ائمہ مثل انبیاء کے معصوم ہوتے ہیں خطا و سہو اور نسیان سے پاک ہوتے ہیں اور کہاں یہ بے وضو نماز پڑھانا اور پھر طرہ یہ کہ مسئلہ بھی شیعہ مذہب کے خلاف۔ شیعہ مذہب میں ایسی صورت میں مقتدیوں پر اعادۂ نماز کی ضرورت نہیں۔ افسوس ہے کہ شیخ صاحب نے اس مقام پر تقیہ کی تاویل نہیں کی حالانکہ خوب موقع تھا بلکہ اس مقام پر آپنے ایک دوسری تاویل فرمائی ہے کہ یہ حدیث چونکہ عصمت کے منافی ہے لہذا قابل قبول نہیں۔ اب ذرا حضرات شیعہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اہلسنت کے سامنے ان احادیث

جن استدلال نہ کریں جن سے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی صحت خلافت یا فضیلت میں قدح ہوتی ہو

(۲۲) نیز اسی کتاب کے ابواب الجمعہ میں ہے۔

عنہ عن العلاء عن محمد بن مسلم قال سالتہ عن صلوٰۃ الجمعۃ فی السفر فقال یصنعون کما یصنعون فی الظهر ولا یجهر الامام فیها بالقرأۃ انما یجهر اذا کانت خطبۃ فالوجہ فی هٰذین الخبرین ان نحملهما علیٰ حال التقیۃ والخوف۔

حسین بن سعید نے علاء سے انہوں نے محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے امام جعفر صادق سے سفر میں نماز جمعہ پڑھنے کی بابت پوچھا امام نے فرمایا جیسا ظہر میں کرتے ہیں ویسا ہی کریں امام بلند آواز سے قرات نہ کرے صرف خطبہ بلند آواز سے پڑھ دے پس ان دونوں حدیثوں کو ہم حالت تقیہ اور خوف پر محمول کرتے ہیں۔ (جزو اول ص۲۰۹)

ف:- یہاں تقیہ کا عجیب ہی رنگ ہے معلوم نہیں امام نے کس کے خوف سے اس مسالہ میں تقیہ کیا کون سنی اس کا قائل ہے کہ سفر میں نماز جمعہ آہستہ آواز سے پڑھنا چاہیے۔

(۲۳) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے۔

ما رواہ احمد بن محمد عن محمد بن یحیٰ عن طلحۃ بن زید عن جعفر عن ابیہ عن علی علیهم قال لا جمعۃ الا فی مصر یقام فیہ الحدود فالوجہ فی

جو حدیث احمد بن محمد نے محمد بن یحیٰ سے انہوں نے طلحہ بن زید سے انہوں نے جعفر صادق سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے علی علیہ السلام سے روایت کی ہے

هٰذا الخبر التقیۃ لانہ موافق لمذاهب اکثر العامۃ۔ (جزو اول ص۲۱۱)

کہ انہوں نے فرمایا نماز جمعہ صرف اسی شہر میں جائز ہے جسمیں حدود قائم کیے جاتے ہوں پس تاویل اس حدیث کی تقیہ ہے کیونکہ یہ بہت سے سنیوں کا مذہب ہے۔

ف:- اے جناب شیخ صاحب اگر یہ مذہب سنیوں کا ہے کہ مصر کے سوا اور کسی مقام پر نماز جمعہ جائز نہیں تو یہ بھی سنیوں کا مذہب ہے کہ مصر و قریہ ہر جگہ نماز جمعہ جائز ہے پھر امام کو کیا خوف تھا کہ انہوں نے اپنا اصلی مذہب چھپاکر غلط مسالہ بتا دیا کہ سوا مصر کے کہیں نماز جمعہ جائز نہیں بندگان خدا کی نماز جمعہ فوت کرانے کا کس قدر وبال ہوا ہوگا اور یہ وبال کس پر پڑا۔

(۲۴) نیز اسی کتاب کے ابواب العیدین میں ہے۔

ما رواہ الحسین بن سعید عن ابن ابی عمیر عن ابن اذینۃ عن زرارۃ ان عبد الملک بن اعین سال اباجعفر علیہ السلام عن الصلوٰۃ فی العیدین فقال الصلوٰۃ فیهما سواء یکبر الامام تکبیر الصلوٰۃ تاما کما یصنع فی الفریضۃ ثم یزید فی الرکعۃ الاولیٰ ثلث تکبیرات وفی الاخریٰ ثلاثا سوا تکبیرۃ الصلوٰۃ و

جو حدیث حسین بن سعید نے ابن ابی عمیر سے انہوں نے ابن اذینہ سے انہوں نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ عبد الملک ابن اعین نے امام باقر علیہ السلام سے نماز عیدین کی ترکیب پوچھی امام نے فرمایا دونوں کی نماز یکساں ہے امام تکبیریں پوری کہے جیسی فرض نماز میں کہتا ہے پھر پہلی رکعت میں تین تکبیریں اور دوسری میں تین تکبیریں کہے علاوہ تکبیر نماز و رکوع و سجود کے اور اگر چاہے تین اور پانچ کہے۔ اور اگر چاہے پانچ اور سات کہے مگر طاق

الرکوع والسجود وان شاء	رہیں۔
ثلاثا وخمسا وان شاء خمسا	پس یہ دونوں روایتیں
وسبعًا بعد ان یلحق ذلك	تقیہ پر محمول ہیں۔ کیونکہ یہ
الی الوتر فالوجه فی هاتین	اکثر سنیوں کے مذہب
الروایتین التقیة لانهما	کے موافق ہیں۔
موافقتان لمذاهب کثیر	....
من العامة۔ (جزو اول ص۲۲۴)	....

ف:۔ اگر امام کا مذہب یہ تھا کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ کہنا چاہیے تو اس مذہب کے ظاہر کر دینے میں کیا خوف تھا اہل سنت کے یہاں بھی اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں پھر تقیہ کیسا اور ایک عجیب لطف یہ ہے کہ تقیہ کر کے جو امام نے ارشاد فرمایا وہ کسی کا بھی مذہب نہیں اہل سنت میں کون اس کا قائل ہے کہ جتنی تکبیریں چاہے کہہ لے صرف عدد طاق کا لحاظ رکھے۔

(۲۵) نیز اسی کتاب کے ابواب الجنائز میں ہے۔

ما رواه محمد بن احمد بن یحییٰ	جو حدیث محمد بن احمد ابن یحییٰ نے جعفر بن محمد
عن جعفر بن محمد ابن عبد الله	بن عبد اللہ قمی سے انہوں نے عبد اللہ بن
القمی عن عبد الله بن میمون	میمون قداح سے انہوں نے جعفر صادق سے
القداح عن جعفر عن ابیه	انہوں نے اپنے والد سے روایت کی
ان علیا علیه السلام کان	ہے کہ علی علیہ السلام جب نماز جنازہ پڑھتے
اذا صلّی علی میت یقرأ	تھے تو سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور نبی اور
بفاتحة الکتاب ویصلی علی	ان کی آل پر درود پڑھتے تھے پس یہ

النبی وآله تمام الحدیث۔	دونوں حدیثیں تقیہ پر محمول ہیں
فالوجه فی هذین الخبرین	کیونکہ یہ بعض سنیوں کے مذہب
التقیة لانهما موافقتان	کے موافق ہیں۔
لمذاهب بعض العامة۔	(جزو اول ص۲۲۴)

ف:۔ یہاں بھی وہی لطیفہ ہے چنانچہ خود شیخ صاحب کو بھی اقرار ہے کہ یہ بعض سنیوں کا مذہب ہے اور بعض کا اس کے خلاف ہے پس کیا وجہ ہے کہ امام صاحب بعض سنیوں سے ڈر گئے اور بعض سے نہ ڈرے پھر یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ تقیہ کس کا ہے حضرت علی کا کہ وہ تقیہ میں ایسا فعل کرتے تھے یا امام باقر وغیرہ کا تقیہ ہے کہ انہوں نے ایک غلط روایت حضرت علی سے نقل کر دی۔

(۲۶) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے۔

سعد عن ابی جعفر عن ابیه	سعد نے ابوجعفر سے انہوں نے اپنے والد
عن عبد الله بن المغیرة عن	سے انہوں نے عبد اللہ بن مغیرہ سے انہوں
غیاث بن ابراهیم عن ابی عبد الله	نے غیاث بن ابراہیم سے انہوں نے امام
عن ابیه عن علی	جعفر صادق سے انہوں نے اپنے والد
علیهم السلام انه کان	سے انہوں نے علی علیہم السلام سے روایت
لا یرفع یدیه فی الجنازة	کی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں صرف ایک مرتبہ
الا مرة یعنی فی التکبیر	یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے
فالوجه فی هاتین الروایتین	پس ان دونوں حدیثوں میں یا تو ایک قسم کا
ضرب من الجواز ورفع	جواز مراد ہے کہ ہاتھ اٹھانا واجب نہیں
الوجوب وان کان الافضل	اگرچہ افضل وہی ہے جو پہلی روایتوں

ماتضمنته الروايات الاولة ويمكن ان يكونا وردا مورد التقية لان ذالك مذهب كثير من العامة ۔ (جزو اول ص۲۴۱)

میں بیان ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں حدیثیں بطور تقیہ کے ہوں ۔ کیونکہ یہ بہت سے سنیوں کا مذہب ہے ۔

ف :۔ تقیہ بھی عجیب چیز ہے ۔ اے جناب شیخ صاحب بہت سے سنیوں کا وہ بھی مذہب ہے جو امام کا اصلی مذہب تھا اور جس کو امام نے مارے ڈر کے چھپا کر یہ غلط مسالہ بتایا یا غلط فعل کیا ۔

(۲۷) نیز اسی کتاب کے انھیں ابواب میں ہے ۔

احمد بن محمد عن الحسن بن علی بن يقطين عن اخيه الحسين عن ابيه علی بن يقطين قال سالت ابا الحسن عليه السلام لكم يصلی علی الصبی اذا بلغ من السنين والشهور قال تصلی عليه علی كل حال الا ان يسقط لغير تمام فالوجه فی هذين الخبرين ما قلناه فی خبر عبد الله بن سنان من الحمل علی التقية ۔ (جزو اول ص۲۴۲)

احمد بن محمد نے حسن بن علی بن یقطین سے انہوں نے اپنے بھائی حسین سے انہوں نے اپنے والد علی بن یقطین سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے میں نے ابو الحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ لڑکا کے سال یا کے مہینہ کا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے امام نے فرمایا ہر حال میں اس پر نماز پڑھے سوا اس صورت کے کہ کم دنوں کا حمل ساقط ہو جائے پس ان دونوں حدیثوں کی تاویل وہی ہے جو ہم عبد اللہ بن سنان کی حدیث میں بیان کر چکے ہیں کہ تقیہ پر محمول ہیں ۔

(۲۸) نیز اسی کتاب کے انھیں ابواب میں ہے ۔

احمد بن ابی عبد الله عن ابيه

احمد بن ابی عبد اللہ نے اپنے والد سے

عن ابن عمير عن حفص بن البختری عن ابی عبد الله عليه السلام فی المرأة تموت ومعها اخوها وزوجها ايهما يصلی عليها فقال اخوها احق بالصلوٰة عليها فالوجه فی هذين الخبرين ضرب من التقية لانهما موافقتان لمذهب العامة ۔ (جزو اول ص۲۴۵)

انہوں نے ابن ابی عمیر سے انہوں نے حفص بن البختری سے انہوں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو عورت مر جائے اس کے ساتھ اس کا بھائی اور اس کا شوہر ہو تو نماز جنازہ کون پڑھے امام نے فرمایا اس کا بھائی نماز پڑھنے کا زیادہ مستحق ہے پس ان دونوں حدیثوں میں تقیہ ہے کیونکہ یہ دونوں سنیوں کے مذہب کے موافق ہیں ۔

ف :۔ تقیہ بھی عجب چیز ہے بھلا فروعی مسائل میں جو محض اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں اور جن میں خود اہل سنت کے یہاں مختلف اقوال ہیں تقیہ کی کیا ضرورت اور کیا حاجت ہے ۔ اسی کتاب استبصار کے کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اپنے اصلی مذہب کے اظہار میں کم از کم فروعی مسائل میں بے باک تھے ۔ چنانچہ کتاب الزکوٰۃ کی ایک یہ حدیث ملاحظ ہو ۔

علی بن الحسن عن محمد واحمد ابنی الحسن عن علی بن يعقوب الهاشمی عن هارون بن مسلم عن ابی البختری قال سالت ابا عبد الله عليه السلام عن الحلی عليه زكوٰة

علی بن الحسن نے محمد اور احمد پسران حسن سے انہوں نے علی بن یعقوب ہاشمی سے انہوں نے ہارون بن مسلم سے انہوں نے ابو البختری سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے زیور کی بابت پوچھا کہ اس پر زکوٰۃ ہے امام

قال انه لیس فیہ زکوۃ وان بلغ ماۃ الف کان ابی یخالف الناس فی ھذا۔ (جزودوم ص۵)

نے فرمایا اسپر زکوۃ نہیں ہے اگرچہ ایک لاکھ روپیہ کا ہو۔ میرے والد امام باقر اس بارے میں سب سے مخالفت کرتے تھے۔

دیکھیے یہ شان البتہ امام کی معلوم ہوتی ہے کہ جو مسالہ حق تھا اس کے ظاہر کرنے میں انھیں کچھ باک نہ تھا اور کسی کی مخالفت کی پروانہ کرتے تھے۔ اور دوسری حدیث اسی باب کی یہ ہے۔

سعید بن عبد اللہ عن احمد بن محمد عن الحسین بن سعید عن حماد بن عیسیٰ عن عمر بن اذنیۃ عن زرارۃ قال کنت قاعدا عند ابی جعفر علیہ السلام ولیس عندہ غیر ابنہ جعفر فقال یا زرارۃ ان اباذر وعثمان تنازعا علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فقال عثمان ان کل مال من ذھب او فضۃ یدار ویعمل بہ ویتجر بہ ففیہ الزکوۃ اذا حال علیہ الحول فقال ابوذر اما ما اتجر بہ اودبر وعمل بہ فلیس

سعید بن عبد اللہ نے احمد بن محمد سے انہوں نے حسین بن سعید سے انہوں نے حماد بن عیسیٰ سے انہوں نے عمر بن اذنیہ سے انھوں نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں امام باقر علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا اور ان کے پاس سوا ان کے بیٹے جعفر صادق کے کوئی نہ تھا تو امام باقر نے مجھ سے فرمایا کہ اے زرارہ ابوذر اور عثمان کے درمیان رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نزاع ہوئی عثمان کہتے تھے کہ جو مال سونے چاندی کی قسم سے ہو اور دست بدست لیا جاتا ہو اور اس سے کام کیا جاتا ہو اور تجارت کی جاتی ہو اس میں زکوۃ واجب ہے، ابوذر کہتے تھے کہ جس مال میں تجارت کیجائے یا اسکی کوئی چیز بنالی جائے اس میں زکوۃ نہیں ہے،

فیہ الزکوۃ انما الزکوۃ فیہ اذا کان رکازا کنزا موضوعا فاذا حال علیہ الحول ففیہ الزکوۃ فاختصما فی ذلک الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فقال القول ما قال ابوذر فقال ابوعبد اللہ علیہ السلام لابیہ ما ترید الا ان تخرج مثل ھذا فیکف الناس ان یعطوا فقراءھم ومساکینھم فقال لہ ابوہ الیک عنی لااجد منھا بدا۔

زکوۃ صرف اس مال میں ہے جو مدفون ہو یعنی خزانہ بناکر رکھا گیا ہو جب اس پر سال گذر جائے تو زکوۃ واجب ہوگی پس دونوں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کے پاس گئے آپ نے فرمایا بات وہی ہے جو ابوذر کہتے ہیں اس کو سنکر جعفر صادق نے اپنے والد سے کہا کہ اس قصہ کے بیان کرنے سے آپ کا مقصود کیا ہے سوا اس کے کہ یہ بات مشہور ہو اور لوگ فقیروں اور مسکینوں کو دینا چھوڑ دیں۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا خاموش رہو مجھے اس کے بیان کرنے سے کوئی مفر نہیں ہے۔ (جزودوم ص۶)

ان دونوں حدیثوں سے خیر یہ تو معلوم ہوتا ہی کہ امام نے جو بات حق تھی ظاہر کردی مگر اس کے ساتھ ایک تعجب بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ زیور کی زکوۃ کی بابت جو امام جعفر صادق نے بیان کیا کہ میرے والد اس مسالہ میں تمام لوگوں سے مخالفت کرتے تھے عجیب بات ہے کیونکہ بعض ائمہ اہل سنت بھی زیور میں عدم وجوب زکوۃ کے قائل ہیں۔ دوسری حدیث میں تعجب کی بات یہ ہے کہ دو اماموں میں اختلاف پایا جاتا ہے جعفر صادق کہتے ہیں کہ اس قصہ کے بیان کرنے سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ فقرا اور مساکین کو دینا چھوڑ دیں گے (اور یہ صحیح بات ہے) امام باقر فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے

بیان کرنے سے مفر نہیں۔ مفر نہ ہونے کی معلوم نہیں کیا وجہ تھی سیکڑوں مسائل غلط بیان کر دیئے، ہزاروں فتوے غلط دیدیئے زکوٰۃ کا مسالہ معلوم نہیں کیوں اس درجہ اہم تھا کہ اس کا بیان کرنا نہایت ضروری شاید مفر نہ ہونیکی یہ وجہ ہو کہ زرارہ صاحب نے خواہش کی ہو کہ کسی طرح زکوٰۃ کو اڑا دیجئے امام نے اس کے خوف سے زکوٰۃ کے اڑانے کیلیے یہ کہانی تراشی ہو جعفر صادق چونکہ اس وقت بچہ تھے وہ اس رمز کو نہ سمجھے اور جھٹ اعتراض کر بیٹھے۔ (واللہ اعلم)

خیر اس قسم کے لطیفے تو بہت ہیں دو چار حدیثیں تقیہ کی اور سن لیجیے۔

(۲۹) اسی کتاب استبصار کے باب الزکوٰۃ میں ہے۔

عنه عن حماد عن حريز عن محمد بن مسلم قال سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول الصدقة لمن لا يجد الحنطة والشعير يجزی عنه القمح والسلت والعدس والذرة نصف صاع من ذلك كله او صاع من تمر او زبيب فالوجه فی هذه الاخبار وما جری مجراها ان نحملها علی ضرب من التقية ووجه

حسین بن سعید نے حماد سے انہوں نے حریز سے انہوں نے محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جس کو گیہوں اور جو نہ مل سکیں اس کو معلوم ہے کہ صدقہ فطر میں گیہوں اور مسور اور چنا بھی کافی ہے، یہ سب چیزیں نصف صاع کافی ہیں یا ایک صاع چھوہارا یا مویز دینا چاہیے۔ پس تاویل ان احادیث کی اور جو ان کے مثل ہوں یہ ہے کہ ہم ان کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور وجہ تقیہ کی اس بارہ میں یہ ہے کہ

التقية فی ذلك ان السنة كانت جارية فی اخراج الفطرة بصاع عن كل شیٔ فلما كان زمن عثمان او بعده من ايام معاوية جعل نصف صاع من حنطة بازاء صاع من تمر وتابعه الناس علی ذلك فخرجت هذه الاخبار وفاقا لهم علی جهة التقية۔

صدقہ فطر میں سنت یہ تھی کہ ہر چیز سے ایک صاع دیا جائے مگر جب زمانہ عثمان یا معاویہ کا ہوا تو انہوں نے نصف صاع گیہوں کو چھوہارے کے ایک صاع کے برابر کر دیا اور لوگوں نے اس بارہ میں ان کی موافقت کر لی۔ پس یہ حدیثیں انھیں لوگوں کی موافقت میں بطور تقیہ کے ہیں۔ (جزو دوم صـ۲ـ)

ف:- شیخ صاحب نے یہاں بھی جو وجہ تقیہ کی بیان کی ہے وہ کچھ چلتی ہوئی نہیں ہے اگر حضرت عثمانؓ نے نصف صاع ایجاد کیا تھا یا حضرت معاویہؓ نے تو حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیوں نہ کیا اور سب مسلمانوں کو کیوں اس پر متفق ہونے دیا۔ حضرت عثمان کی سنت سنتِ شیخین نہ تھی کہ اس کی مخالفت کرنے سے حضرت علی کو خود انھیں کا لشکر قتل کر دیتا بہرکیف تقیہ ایک عجیب چیز ہے۔

(۳۰) نیز اسی کتاب کے ابواب صیام میں ہے۔

الحسين بن سعيد عن محمد بن ابی عمير عن هشام بن سالم وابی ايوب عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر عليه السلام فی الرجل يصوم اليوم الذی يشك فيه من رمضان قال عليه

حسین بن سعید نے محمد بن ابی عمیر سے انہوں نے ہشام بن سالم سے اور ابو ایوب سے انہوں نے محمد بن مسلم سے انہوں نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو شخص اس دن روزہ رکھے جس کے رمضان ہونے میں شک ہو تو اس پر اس دن کی قضا ضروری ہوگی

قضاءٌ وان كان كذٰلك
فالوجه فی هٰذا الخبر احد
شیئین احدهما ان نحمله
علیٰ ضرب من التقیة لانه
موافق لمذهب بعض العامة۔

اگرچہ وہ دن فی الحقیقت رمضان کا ہو پس
تاویل اس حدیث کی دو ہیں اول یہ کہ
ہم اس کو تقیہ پر محمول کریں کیونکہ یہ
بعض سنیوں کے موافق ہے۔
(جزو دوم ص۴۵)

(۳۱) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے۔

سعد بن عبد الله عن ابی
جعفر عن سعد بن اسمٰعیل
بن عیسٰی عن ابیه قال سالت
ابا الحسن الرضا علیه السلام
عن رجل اصابته جنابة
فی شهر رمضان فنام متعمداً
حتی اصبح ای شیئ علیه
قال لا یضره هٰذا ولا یفطر
ولا یبالی فان ابی علیه السلام
قال قالت عائشة ان رسول
الله صلی الله علیه واٰله اصبح
جنباً من جماع غیر احتلام
لانه یحتمل شیئین احدهما
ان یکون خرج مخرج التقیة۔

سعد بن عبد اللہ نے ابو جعفر سے انھوں نے
سعد بن اسمٰعیل بن عیسیٰ سے انہوں نے
اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے
تھے میں نے ابو الحسن رضا علیہ السلام سے
پوچھا کہ کسی شخص کو ماہ رمضان میں جنابت
ہو جائے اور وہ عمداً سو رہے یہاں تک کہ
صبح ہو جائے تو اس پر کیا ہوگا امام نے فرمایا
کچھ نقصان نہیں وہ روزہ رکھے اور کچھ پروا
نہ کرے۔ میرے والد علیہ السلام فرماتے تھے
کہ عائشہ کہتی تھیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ
و آلہ ایک مرتبہ صبح کو اس حالت میں اٹھے
کہ آپ جُنبی تھے جماع کے سبب سے نہ احتلام
کی وجہ سے۔ پس اس حدیث میں دو احتمال
ہیں۔ اول یہ کہ تقیہ پر محمول ہو۔ (جزو دوم ص۲۹)

ف :۔ اب حضرات شیعہ خود ہی انصاف کریں کہ تقیہ کا اثر کہاں سے

کہاں تک پہونچا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افتراء ہونے لگا۔ ایک مومن کے تن بدن پر یہ سن کر لرزہ پڑ جائے گا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ طوفان باندھا گیا۔

اس حدیث میں جس تقیہ کا ذکر ہے وہ کس کا تقیہ ہے رسول خدا کا تقیہ ہے کہ انہوں نے تقیہ میں ایسا فعل کیا یا امام کا تقیہ ہے کہ انہوں نے رسول خدؐا پر افترا کیا۔ اگر شیعہ صاحبان فرمائیں کہ یہ افتراء رسول اللہ پر (معاذ اللہ) ام المومنین نے کیا تھا امام نے تو انھیں کے ذریعہ سے اس حدیث کو نقل کیا تو جواب یہ ہے کہ امام ضرور جانتے ہوں گے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے پھر انھوں نے کیوں جھوٹی حدیث نقل کی کیا امام پر کسی نے زور ڈالا تھا کہ اس مضمون کی حدیث بھی سناؤ۔

معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔

(۳۲) نیز اسی کتاب کے ابواب الحج میں ہے۔

ما رواه احمد بن محمد بن عیسیٰ
عن الحسن بن علی عن عمر
بن ابان الکلبی قال
انتهیت الیٰ باب ابی عبد الله
علیه السلام فخرج المفضل
فاستقبلته فقال مالك قال
اردت ان اصنع شیئاً فلم
اصنع حتی یامرنی ابو عبد الله
فاردت ان یحصن الله

جو حدیث احمد بن محمد بن عیسیٰ نے حسن بن
علی سے انہوں نے عمر بن ابان کلبی سے
روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں امام
جعفر صادق کے دروازہ پر گیا مفضل گھر
کے اندر سے نکل رہے تھے میں ان سے
ملا انھوں نے پوچھا تم کیوں آئے ہو
میں نے کہا میرا ارادہ ایک کام کرنے کا
تھا مگر میں نے نہیں کیا نہ کرونگا جب
تک کہ ابو عبد اللہ (جعفر صادق) مجھے اجازت

تزوج ويغض بصري في احرامي فقال كما انت ودخل فسألته عن ذلك فقال هذا الكلبي على الباب وقد اراد الاحرام واراد ان يتزوج ليغض الله بذلك بصره ان امرته فعل والا انصرف عن ذلك فقال لي مره فليفعل ويستتر فالوجه في هذا الخبر احد شيئين احدهما ان يكون امر بذلك قبل ان يدخل في الاحرام فاما بعد عقد الاحرام فلا يجوز على حال والوجه الآخر ان يكون محمولا على ضرب من التقية لان ذلك مذهب بعض العامة۔ (جزو دوم ص۱۰۲)

نہ دیں میرا ارادہ یہ تھا کہ نکاح کروں، تاکہ اللہ حالت احرام میں میری شرمگاہ کو اور میری نگاہ کو حرام سے محفوظ رکھے۔ مفضل نے کہا اچھا تم یہاں ٹھہرو اور وہ اندر گئے اور انہوں نے کہا امام سے کہ یہ کلبی دروازے پر کھڑے ہیں انھوں نے احرام کا بھی ارادہ کیا ہے اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ نکاح کریں تاکہ اللہ اسکے ذریعہ سے انکی آنکھ کو نظر حرام سے محفوظ رکھے اگر آپ حکم دیں تو وہ نکاح کریں ورنہ نہ کریں امام نے فرمایا کرلے مگر پوشیدہ رکھے۔ پس تاویل اس حدیث کی دو ہیں یا یہ کہ امام نے احرام باندھنے سے پہلے نکاح کرنے کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ بعد احرام باندھنے کے نکاح کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ حدیث تقیہ پر محمول ہو کیونکہ یہ بعض سنیوں کا مذہب ہے۔

ف:۔ شیخ صاحب نے اس حدیث کی دو تاویلیں کیں اور خدا کے فضل سے دونوں بے نظیر۔ بھلا اگر احرام باندھنے سے پہلے نکاح کرنے کا حکم دیا ہوتا تو اول تو سائل کو اس میں پوچھنے کی کیا بات تھی کیا وہ خیال کرتا تھا کہ احرام باندھنے سے پہلے بھی شاید نکاح ناجائز ہے۔ دوسرے امام کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ نکاح کرلے مگر پوشیدہ رکھنے کی تاکید خود بتا

رہی ہے کہ امام نے کوئی ایسی بات بتائی ہے جس کے اور مسلمان قائل نہیں ہیں۔ اور احرام کے پہلے نکاح کے عدم جواز کا کوئی قائل نہیں۔ رہی دوسری تاویل تقیہ والی وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے خود اہل سنت میں بعض ائمہ بحالت احرام نکاح کو جائز کہتے ہیں بعض ناجائز۔ پھر اس میں تقیہ چہ معنی۔ قطع نظر اس سے پوشیدہ رکھنے کی تاکید یہ بھی بتا رہی ہے کہ یہ تقیہ نہیں ہے ورنہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ تقیہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایسی بات بتائی گئی ہے جس کے ظاہر ہونے میں کوئی خوف نہیں ہے۔

(۳۱۳) نیز اسی کتاب کے انھیں ابواب میں ہے۔

ما رواه محمد بن يعقوب عن عدة من اصحابنا عن سهل بن زياد عن احمد بن محمد عن علي بن ابي حمزة قال سألت ابا الحسنؑ عن الرجل يطوف يقرن بين اسبوعين فقال ان شئت رويت لك عن اهل المدينة قال فقلت والله ما لي في ذلك من حاجة جعلت فداك ولكن ارولي ما ادين الله عز وجل به۔ (جزو دوم ص۱۱۵)

محمد بن یعقوب نے ہمارے کئی اصحاب سے انہوں نے سہل بن زیاد سے انہوں نے احمد بن محمد سے انہوں نے علی بن ابی حمزہ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے میں نے امام ابوالحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ کوئی شخص طواف کرے اور دو اسبوع کو ایک ساتھ ملا دے تو کیسا۔ امام نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اہل مدینہ کا تم سے قول روایت کروں میں نے کہا نہیں خدا کی قسم مجھے اسکی ضرورت نہیں میں آپ پر فدا ہو جاؤں مجھے وہ روایت بیان فرمایئے جس پر میں اللہ کے لیے عمل کروں۔

ف:۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ ائمہ کرام کی عادت شریف یہ بھی تھی کہ

سائل کو اناپ شناپ باتیں بھی بتا دیا کرتے تھے اپنا اصلی مذہب اس کو نہ بتاتے تھے گو وہ شیعہ مخلص ہو۔ دوسری روایات میں صاف صاف مذکور ہے کہ ائمہ ہر شخص کی آواز سنکر پہچان لیا کرتے تھے کہ ناجی ہے یا ناری اور ہر شخص سے اسی کے موافق بات کرتے تھے یعنی مومن کو ایمان سکھاتے تھے اور کافر کو کفر۔

(۳۴) کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے ابواب الصوم میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا من کان فی بلد فیہ سلطان فالصوم معہ والفطر معہ یعنی جو شخص ایسے شہر میں ہو جہاں کوئی بادشاہ ہو تو اس کو بادشاہ کے ساتھ روزہ رکھنا اور اسی کے ساتھ افطار کرنا چاہیے یعنی جس دن سے بادشاہ روزہ رکھے اسی دن سے اس کو روزہ رکھنا چاہیے اور جس دن سے وہ موقوف کردے اسی دن سے موقوف کر دینا چاہیے۔ نیز ایک دوسری حدیث اسی باب کی ہے۔

قد روی عن عیسیٰ بن ابی منصور انہ قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الیوم الذی یشك فیہ فقال یا غلام اذھب فانظر ھل صام الامیر ام لا فذھب ثم عاد فقال لا فدعا بالغداء فتغدینا معہ۔

عیسیٰ بن ابی منصور سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں یوم شک میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا انہوں نے ایک لڑکے سے فرمایا کہ جا دیکھ امیر نے روزہ رکھا یا نہیں وہ لڑکا گیا اور اس نے لوٹ کر کہا کہ نہیں۔ پس امام نے کھانا منگوایا اور ہم سب نے ان کے ساتھ کھانا کھایا۔

ف:- دیکھیے تقیہ میں فرائض اسلام بھی چٹ کیے جاتے ہیں روزہ

ایک ایسی چیز ہے کہ آدمی مخفی طور پر بھی رکھ سکتا ہے کون شخص معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں شخص نے روزہ رکھا ہے جب تقیہ میں روزہ بھی چٹ ہو گیا تو اور فرائض کو کیا کہا جائے۔

یہ ایک ہلکا سا نمونہ شیعوں کے ائمہ معصومین کے تقیہ کا تھا جس سے کچھ اندازہ تقیہ کے مواقع کا ہو سکتا ہے اور یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ تقیہ کے لیے نہ ہرگز کسی قسم کے خوف کی شرط ہے نہ کسی اور ضرورت کی بلکہ ائمہ شیعہ نے ہر موقع پر تقیہ کیا ہے موافقین سے بھی اور مخالفین سے بھی، دنیاوی امور میں بھی اور دینی مسائل کے فتویٰ دینے میں بھی، عقائد کے متعلق بھی اور اعمال کے متعلق بھی۔ کتب شیعہ خاص کر کافی، استبصار، تہذیب کے دیکھنے سے بڑے بڑے عمدہ لطائف تقیہ کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔

ائمہ شیعہ کی ان اختلاف بیانیوں یا تقیہ پردازیوں کے سبب سے ان کے اصحاب میں مذہبی اختلافات بکثرت پیدا ہوئے اور اصحاب کے بعد علماء اور ائمہ مجتہدین میں وہی اختلافات رونما ہوئے اور یہ اختلافات صرف اعمال میں نہیں بلکہ عقائد میں اور عقائد میں بھی جو مسائل مذہب شیعہ میں سب سے زیادہ مہتم بالشان ہے جس کو ان کے عقائد کا گل سرسبد کہنا چاہیے یعنی مسئلہ امامت اس میں بھی اختلاف ہوا۔ ائمہ کے بعض اصحاب ائمہ کو معصوم کہتے تھے اور بعض لوگ مثل اہل سنت کے انکے معصوم ہونے کے منکر تھے۔ اور ان کو علماء نیکو کار جانتے تھے۔ علامہ باقر مجلسی کتاب حق الیقین کے صفحہ ۶۵۶ پر لکھتے ہیں۔

از احادیث ظاهر میشود که جمع

احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ راویوں

از راویان کہ در اعصار ائمہ علیہم السلام
بودہ اند از شیعیان اعتقاد بہ عصمت
ایشان نداشتہ اند بلکہ ایشاں را
علماء نیکوکار می دانستند چنانکہ از رجال
کشی ظاہر می شود و مع ذلک ائمہ
علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں
می کردند۔

کی ایک جماعت جو ائمہ علیہم السلام کی ہمعصر
تھی ائمہ کے معصوم ہونے کا اعتقاد
نہ رکھتی تھی بلکہ ائمہ کو نیکوکار عالم
جانتی تھی چنانچہ رجال کشی سے معلوم
ہوتا ہے اور باوجود اس کے ائمہ
علیہم السلام نے ان کے مومن بلکہ عادل
ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اس اختلاف کا سبب یہی ہے کہ ائمہ نے اپنی امامت اور عصمت کا انکار بھی کیا ہے اب چاہے یہ انکار واقعی ہو یا از راہ تقیہ۔

اصحاب ائمہ کا اختلاف اعمال میں اس حد کو پہنچا کہ علماء شیعہ کو بادل ناخواستہ اقرار کرنا پڑا کہ ان کا اختلاف اہل سنت کے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام حنبلؒ کے باہمی اختلاف سے بدرجہا زائد ہے۔ چنانچہ شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب اپنی کتاب اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ عہد شاہی صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں۔

وقد ذکرت ما ورد منہم من
الاحادیث المختلفۃ التی تختص
الفقہ فی الکتاب المعروف با
لاستبصار وفی کتاب تہذیب
الاحکام ما یزید علی خمسۃ آلاف
حدیث وذکرت فی اکثرہا
اختلاف الطائفۃ فی العمل بہا

ائمہ سے جو مختلف حدیثیں خاص کر فقہ کے
متعلق منقول ہیں وہ مشہور کتاب استبصار
میں اور تہذیب الاحکام میں پانچ ہزار
احادیث سے زائد بیان کی گئی ہیں۔
اور اکثر ان حدیثوں میں شیعوں کے
اختلاف عمل کا بھی ذکر ہے یعنی کسی
عالم شیعہ نے کسی حدیث پر عمل کیا ہے

وذلک اشہر من ان یخفی حتی
انک لو تاملت اختلافہم فی ہذہ
الاحکام وجدتہ یزید علی
اختلاف ابی حنیفۃ والشافعی
ومالک ووجدتہم مع ہذا
الاختلاف العظیم لم ینقطع
احد منہم موالاۃ صاحبہ و
لم ینتہ الی تضلیلہ وتفسیقہ
والبراءۃ من مخالفہ۔

کسی نے کسی پر، یہ بات بہت مشہور ہے
چھپ نہیں سکتی یہاں تک کہ اگر تم ان کے
اختلاف کو ان احکام میں غور سے دیکھو تو
ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک کے اختلاف
سے زائد پاؤ گے اور یہ بھی دیکھو گے کہ باوجود
اس عظیم اختلاف کے ایک دوسرے سے ترک
موالات نہیں کرتا ایک دوسرے کو گمراہ
اور فاسق نہیں کہتا اور اپنے مخالف
سے بیزاری ظاہر نہیں کرتا۔

اپنے مجتہد اعظم کے اس قول کو شیعہ غور سے دیکھیں جو بعض اوقات ناواقف سنیوں کو یہ کہہ کر بہکاتے ہیں کہ تمہارے ائمہ اربعہ میں دیکھو ایسا اختلاف ہے۔ پھر کیونکر یہ چاروں حق پر ہو سکتے ہیں۔

تقیہ کے نتائج

اب تک حسب ذیل امور شیعوں کی اعلیٰ ترین، معتبر کتابوں سے ثابت کیے جا چکے ہیں۔

(۱) تقیہ کے معنی خلاف واقع کے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنا جس کو جھوٹ بولنا کہتے ہیں، یا کوئی کام کرنا۔

ف:- تقیہ اور نفاق بالکل الگ چیز ہے اگرچہ شیعہ تقیہ اور نفاق میں بڑا فرق بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تقیہ دین کے چھپانے اور بے دینی کے ظاہر کرنے کا نام ہے اور نفاق بالکل اس کے برعکس ہے۔ لیکن یہ فرق شیعوں کی ایک اصطلاح کی بنیاد پر ہے مسلمانوں کے نزدیک اپنی جن مذہبی باتوں کو شیعہ چھپاتے ہیں وہ خالص بے دینی ہیں اور جن باتوں کو وہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں وہ یقیناً دین ہیں لہٰذا اس کے نفاق ہونے میں کچھ شک نہیں۔

(۲) تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے دین کے ۹/۱۰ حصہ تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین و بے ایمان ہے۔

(۳) ائمہ و انبیاء کا بلکہ خدا کا دین تقیہ کرنا ہے۔

(۴) تقیہ کے لیے نہ خوف جان وغیرہ کی شرط ہے نہ اور کسی معذوری و مجبوری کی تحدید ہے بلکہ ہر ضرورت پر تقیہ کا حکم ہے اور ضرورت کی تشخیص خود صاحب ضرورت کی رائے پر محول ہے۔

(۵) ائمہ شیعہ نے عقائد میں بھی تقیہ کیا ہے اور اعمال میں بھی۔ تقیہ میں اپنے امام معصوم ہونے کا بھی انکار کیا ہے فرائض بھی ترک کیے ہیں، فعل حرام کا بھی ارتکاب کیا ہے، جھوٹے فتوے بھی دیئے ہیں حرام کا حلال اور حلال کو حرام بتلایا ہے، ظالموں بدکاروں کی تعریف بھی کی ہے اور تعریف بھی انتہائی مبالغہ کے ساتھ۔

(۶) ائمہ اپنے مخلص شیعوں کو ازراہ تقیہ غلط مسائل بتا دیا کرتے تھے اور کبھی یہ راز کھل جاتا تھا تو ارشاد فرماتے تھے کہ ہم نے تم کو فلاں نقصان سے بچانے کے لیے ایسا کیا یا اس لیے ایسا کیا کہ تم میں باہم اختلاف رہے گا تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچا نہ سمجھیں گے اور اسی میں ہمارے لیے اور تمہارے لیے خیریت ہے۔

(۷) ائمہ علانیہ ہمیشہ عقائد و اعمال میں اپنے کو اہل سنت و جماعت ظاہر کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی مذہب اہل سنت و جماعت ہی کی تعلیم دیتے تھے۔ مذہب شیعہ کی تعلیمات جس قدر ان سے شیعوں نے نقل کی ہیں ان کی بابت شیعہ راویوں کا یہ بیان ہے کہ ائمہ نے خلوت میں، تنہائی میں ہم سے بیان فرمائی تھیں۔

(۸) بسا اوقات ائمہ نے ایسے مواقع میں تقیہ کیا ہے کہ وہاں ہرگز کسی قسم کی ضرورت کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا مثلاً ان فروعی اجتہادی اعمال میں جن میں خود اہل سنت کے مجتہدین باہم مختلف ہیں ایسے فروعی

اعمال میں جس شخص کا جی چاہے جو پہلو اختیار کرلے کسی قسم کے خطرہ کا احتمال نہیں مگر ائمہ نے ایسے موافق میں بھی اپنا اصلی مذہب چھپایا اور اس کے خلاف عمل کیا۔

یہ آٹھ باتیں تو گزشتہ صفحات میں ثابت ہوچکی ہیں ان کے علاوہ دو باتیں اور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

(۹) ائمہ سے جو حدیثیں منقول ہیں ان میں اختلاف بے حد و بے نہایت ہے اور خود علمائے شیعہ اقرار کرچکے ہیں کہ ہر موقع میں یہ معلوم کرلینا کہ یہ اختلاف کس سبب سے ہے یا تقیہ کے باعث سے ہے یا کسی اور وجہ سے طاقت انسانی سے باہر ہے۔

مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول صفحہ ۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

الاحادیث الماثورة عن الائمة مختلفة جدا لا یکاد یوجد حدیث الا وفی مقابلته ما ینافیه ولا یتفق خبر الا وبازائه ما یضاده حتی صار ذالک سببا لرجوع بعض الناقصین عن اعتقاد الحق کما صرح به شیخ الطائفة فی اوائل التهذیب والاستبصار ومناشی هذه الاختلافات کثیرة جدا من

جو حدیثیں کہ ائمہ سے منقول ہیں ان میں بہت سخت اختلاف ہے ایسی کوئی حدیث نہ ملے گی جس کے مقابل میں اس کے خلاف حدیث نہ موجود ہو ایسی کوئی خبر نہ ملے گی جس کے مقابل میں اسکی مخالف خبر نہ ہو یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کیلئے مذہب شیعہ سے پھر جانیکا سبب بنگیا جیساکہ شیخ الطائفہ نے تہذیب اور استبصار کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے ان اختلافات کے اسباب بہت ہیں مثلاً

التقیة والوضع واشتباه السامع والنسخ والتخصیص والتقیید وغیر هذه المذکورات من الامور الکثیرة کما وقع التصریح علی اکثرها فی الاخبار الماثورة عنهم وامتیاز المناشی بعضها عن بعض فی باب کل حدیثین مختلفین بحیث یحصل العلم والیقین بتعیین المنشاء عسیر جدا وفوق الطاقة کما لا یخفی۔

اور وضعی حدیثوں کا بنایا جانا اور سننے والے سے غلط فہمی کا ہونا اور منسوخ یا مخصوص ہوجانا یا مقید ہوجانا اور ان کے علاوہ بہت سے امور ہیں۔ چنانچہ ان میں سے اکثر امور کی تصریح ائمہ کی احادیث میں موجود ہے اور ہر دو مختلف حدیثوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہاں اختلاف کا سبب کیا ہے اسطور پر کہ اس سبب کا علم و یقین ہوجائے بہت دشوار اور انسانی طاقت سے بالاتر ہے جیساکہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

(۱۰) ائمہ کے اصحاب نے ائمہ سے نہ اصول دین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا نہ فروع دین کو۔ علامہ شیخ مرتضیٰ فرائد الاصول مطبوعہ ایران صفحہ ۸۶ میں لکھتے ہیں۔

ثم ان ما ذکره من تمکن اصحاب الائمة من اخذ الاصول والفروع بطریق الیقین دعوی ممنوعة واضحة

پھر یہ جو اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب ائمہ اصول و فروع کو یقین کے ساتھ حاصل کرنے پر قادر تھے یہ ایک دعویٰ ہے جو تسلیم کرنے کے لائق نہیں کم ازکم

ف اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے زمانہ میں بھی احکام شرعیہ منسوخ ہوتے ہیں ائمہ کو اختیار تھا کہ رسول کے جس حکم کو چاہیں منسوخ کردیں [illegible] انکار کردیا ہوگا۔

المنع واقل ما يشهد عليها
ما علم بالعين والاثر من
اختلاف اصحابهم صلوٰة الله
عليهم فی الاصول والفروع
ولذا اشکیٰ غیر واحد
من اصحاب الائمۃ الیهم
اختلاف اصحابه فاجابوهم
تارۃ بانهم قد القوا الاختلاف
حقنا لدمائهم کما فی روایۃ
حریز وزرارۃ وابی ایوب
الخزاز واخریٰ اجابوهم
بان ذلك من جهۃ الکذابین
کما فی روایۃ الفیض بن
المختار قال قلت لابی عبدالله
جعلنی الله فداك ما هذا
الاختلاف الذی بین شیعتکم
قال وای اختلاف یا فیض
فقلت له انی اجلس فی
حلقهم بالکوفۃ واکاد
اشك فی اختلافهم فی حدیثهم
حتی ارجع الی الفضل بن

اس کی شہادت وہ ہے جو آنکھ سے دیکھی
گئی اور اثر سے معلوم ہوئی کہ ائمہ صلوٰۃ
اللہ علیہم کے اصحاب اصول وفروع
میں باہم مختلف تھے اور اسی سبب سے
بہت لوگوں نے ائمہ سے شکایت کی کہ
آپ کے اصحاب میں اختلاف بہت ہے
تو ائمہ نے کبھی ان کو یہ جواب دیا کہ یہ
اختلاف ان میں خود ہم نے ڈالا ہے ان
کی جان بچانے کے لیے جیسا کہ حریز
اور زرارہ اور ابوایوب خزّاز کی روایتوں
میں ہے اور کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف
جھوٹ بولنے والوں کے سبب سے
پیدا ہو گیا ہے جیسا کہ فیض بن مختار کی
روایت میں ہے وہ کہتے ہیں میں نے
امام جعفر صادق سے کہا کہ اللہ مجھے آپ
پر فدا کردے یہ کیسا اختلاف ہے جو آپ
کے شیعوں کے آپس میں ہے امام نے فرمایا
کہ اے فیض کونسا اختلاف میں نے
عرض کیا کہ میں کوفہ میں ان کے حلقہ درس
میں بیٹھتا ہوں تو انکی احادیث میں اختلاف
کی وجہ سے قریب ہوتا ہے کہ میں شک

بن عمر فیوقفنی من ذلك
علی ما تستریح به نفسی
فقال علیه السلام اجل
کما ذکرت یا فیض ان
الناس قد اولعوا بالکذب
علینا کان الله افترض علیهم
ولا یرید منهم غیره انی
احدث احدهم بحدیث
فلا یخرج من عندی حتی
یتاوله علی غیر تاویله
وذلك لانهم لا یطلبون بحدیثنا
وبحبنا ما عند الله تعالیٰ
وکل یحب ان یدعی راسا
وقریب منها روایۃ داود
بن سمحان واستثناء القمیین
کثیرا من رجال نوادر
الحکمۃ معروف وقصۃ
ابن ابی العوجاء انه قال
عند قتله قد دسست
فی کتبکم اربعۃ الاف حدیث
مذکورۃ فی الرجال و

میں پڑ جاؤں یہاں تک کہ میں فضل بن عمر کی
طرف رجوع کرتا ہوں تو وہ مجھے ایسی بات
بتلا دیتے ہیں جس سے میرے دل کو تسکین
ہوتی ہے امام نے فرمایا کہ اے فیض یہ
بات سچ ہے لوگوں نے ہم پر افترا پردازی
بہت کی گویا کہ خدا نے ان پر جھوٹ بولنا
فرض کردیا ہے اور ان سے سوا جھوٹ
بولنے کے اور کچھ نہیں چاہتا میں ان میں
سے ایک ــ سے کوئی حدیث بیان کرتا
ہوں تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر جانے
سے پہلے ہی اس کے مطلب میں تحریف
شروع کردیتا ہے یہ لوگ ہماری حدیث
اور ہماری محبت سے آخرت کی نعمت نہیں
چاہتے بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سردار
بنجائے اور اسی کے قریب داود بن سمحان
کی روایت ہے۔ اور اہل قم کا نوادر الحکمۃ
کے بہت سے راویوں کو مستثنا کردینا مشہور ہے
اور ابن ابی العوجاء کا قصہ کتب رجال میں
لکھا ہے کہ اس نے اپنے قتل کے
وقت کہا کہ میں نے تمہاری کتابوں
میں چار ہزار حدیثیں بنا کر درج کردی

كذا اما ذكره يونس بن عبد الرحمٰن من انه اخذ احاديث كثيرة من اصحاب الصادقين ثم عرضها على ابى الحسن الرضا عليه السلام فانكر منها احاديث كثيرة الى غير ذلك مما يشهد بخلاف ما ذكره۔

ہیں۔ اسی طرح وہ واقعہ جو یونس بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی حدیثیں ائمہ کے اصحاب سے حاصل کیں پھر انکو امام رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کا انکار کر دیا انکے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی نے تو اس سے بھی زیادہ نفیس بات لکھی کہ اصحاب ائمہ پر یقین کا حاصل کرنا واجب بھی نہ تھا چنانچہ اساس الاصول صـ۱۲۴ میں لکھتے ہیں۔

لانسلم انهم كانوا مكلفين بتحصيل القطع واليقين كما يظهر من سجية اصحاب الائمة بل انهم كانوا مامورين باخذ الاحكام من الثقاة ومن غيرهم ايضا مع قيام قرينة تفيد الظن كما عرفت مرارا بانحاء مختلفة كيف ولو لم يكن الامر كذلك لزم ان يكون اصحاب ابى جعفر

ہم نہیں مانتے کہ اصحاب ائمہ پر لازم تھا کہ یقین حاصل کریں چنانچہ اصحاب ائمہ کی روش سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے بلکہ اصحاب ائمہ کو حکم تھا کہ احکام دین معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کے لوگوں سے حاصل کر لیا کریں بشرطیکہ کوئی قرینہ مفید ظن موجود ہو جیسا کہ بارہا تم کو مختلف طریقوں سے معلوم ہو چکا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ امام باقر اور امام صادق کے اصحاب جن کی کتابوں کو یونس نے لیا اور ان کی حدیثوں

ـله اجی حضرت ہوش کی باتیں کیجیے رسول اللہ کے [illegible] سمار ہیں بابا ۱۲

والصادق الذين اخذ يونس كتبهم وسمع احاديثهم مثلا هالكين مستوجبين النار وهكذا حال جميع اصحاب الائمة فانهم كانوا مختلفين فى كثير من المسائل الجزئية الفرعية كما يظهر ايضا من كتاب العدة وغيره وقد عرفته ولم يكن احد منهم قاطعا لما يرويه الاخر فى مستمسكه كما يظهر ايضا من كتاب العدة وغيره ولنذكر فى هذا المقام رواية رواها محمد بن يعقوب الكلينى فى الكافى فانها مفيدة لما نحن بصدده ونرجو من الله ان يطمئن بها قلوب المومنين ويحصل لهم الجزم بحقية ما ذكرنا فنقول قال ثقة الاسلام فى الكافى على بن ابراهيم عن الشريح بن الربيع قال لم يكن ابن ابى عمير يعدل

کو سنا ہلاک ہونے والوں اور مستحق دوزخ ہوں۔ اور یہی حال تمام اصحاب ائمہ کا ہوگا کیونکہ وہ بہت سے مسائل جزئیہ فرعیہ میں باہم مختلف تھے [illegible] کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر ہے اور تم اس کو معلوم کر چکے ہو اور ان میں سے کوئی شخص اپنے مخالف کی روایت کی تکذیب نہ کرتا تھا جیسا کہ کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر ہے اور ہم اس مقام پر ایک روایت کو ذکر کرتے ہیں جس کو محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ذکر کیا ہے وہ روایت ہمارے مقصود کے لیے مفید ہے اور ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس روایت سے ایمان والوں کے قلوب کو اطمینان حاصل ہوگا اور جو کچھ ہمنے بیان کیا تھا اس کے حق ہونے کا یقین ان کو ہو جائیگا لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ ثقۃ الاسلام نے کافی میں بیان کیا ہے کہ علی بن ابراہیم نے شریح بن ربیع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن ابی عمیر ہشام بن حکم کی بہت عزت کرتے تھے ان کے برابر

هشام بن الحكم شيئا ولا
يغب اتيانه ثم انقطع عنه
وخالفه وكان سبب ذلك ان ابا
مالك الحضرمي كان احد رجال
هشام وقع بينه وبين ابن
ابي عمير ملاحاة في شئ من
الامامة قال ابن ابي عمير الدنيا
كلها للامام على جهة الملك
وانه اولى بها من الذين
هي في ايديهم وقال ابو
مالك كذلك املاك الناس
لهم الا ما حكم الله به للامام من
الفئ والخمس والمغنم فذلك
له وذلك ايضا قد بين الله
للامام اين يضعه وكيف يصنع
به فتراضيا بهشام بن الحكم
وصارا اليه فحكم هشام لابي
مالك على ابن ابي عمير فغضب
ابن ابي عمير وهجر هشاما
بعد ذلك فانظروا يا اولي
الالباب واعتبروا يا اولي

کسی کو نہ سمجھتے تھے اور بلا ناغہ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے پھر ان سے قطع تعلق کرلیا اور ان کے مخالف ہو گئے اور اس کا سبب یہ ہوا کہ ابو مالک حضرمی جو ہشام کے راویوں میں سے ایک شخص ہیں ان کے اور ابن ابی عمیر کے درمیان میں مسئلہ امامت کے متعلق کچھ بحث ہو گئی۔ ابن ابی عمیر کہتے تھے کہ دنیا سب کی سب امام کی ملک ہے اور امام کو تمام اشیاء میں تصرف کا حق ان لوگوں سے زیادہ ہے جن کے قبضہ میں وہ اشیاء ہیں۔ ابو مالک کہتے تھے کہ لوگوں کی املاک انہیں لوگوں کی ہیں امام کو صرف اسی قدر ملیگا جو اللہ نے مقرر کیا ہے یعنی فۓ اور خمس اور غنیمت اور اس کے متعلق بھی اللہ نے امام کو بتا دیا ہے کہ کہاں کہاں صرف کرنا چاہیے اور کس طرح صرف کرنا چاہیے آخر دونوں نے ہشام بن حکم کو پنچ بنایا اور دونوں ان کے پاس گئے ہشام نے (اپنے شاگرد) ابو مالک کے موافق اور ابن ابی عمیر کے خلاف فیصلہ کیا اس پر ابن ابی عمیر کو غصہ آگیا اور اس کے بعد انہوں نے ہشام سے قطع تعلق

الابصار فان هذه الاشخاص
الثلاثة كلهم كانوا من
ثقات اصحابنا وكانوا من اصحاب
الصادق والكاظم والرضا
عليهم السلام كيف وقع النزاع
بينهم حتى وقعت المهاجرة
فيما بينهم مع كونهم متمكنين
من تحصيل العلم واليقين
عن جناب الائمة۔

کر دیا۔ پس اے صاحبان عقل دیکھو اور اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو یہ تینوں اشخاص ہمارے معتبر اصحاب میں سے ہیں اور امام صادق و امام کاظم و امام رضا کے اصحاب میں سے ہیں ان میں باہم کسی طرح جھگڑا ہوا یہانتک کہ باہم قطع تعلق ہو گیا باوجودیکہ ان کو قدرت حاصل تھی کہ جناب ائمہ سے (اپنی نزاع کا فیصلہ کرا کر) علم و یقین حاصل کر لیتے۔

ان دونوں عبارتوں کے چند قابل قدر فوائد حسب ذیل ہیں۔

ف ۱: اصحاب ائمہ پر باوجودیکہ قدرت کے علم و یقین حاصل کرنے کا فرض نہ ہونا ایک ایسی بات ہے کہ غالبًا مذہب شیعہ کے عجائبات میں بہت عزت کی نظر سے دیکھی جائیگی کیا کوئی شیعہ صاحب اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہیں کہ باوجود قدرت کے علم و یقین کا حاصل کرنا ان پر کیوں فرض نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ شیعوں کو بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ اگر اصحاب ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کو فرض کہتے ہیں تو ان کے باہمی اختلاف کا کیا جواب دیں۔ امام زندہ موجود ہیں لوگوں کی آمد و رفت ان کے پاس جاری ہے مگر ان کے اصحاب مسائل دینیہ میں لڑتے جھگڑتے ہیں نوبت ترک کلام و سلام کی آجاتی ہے کوئی امام سے جا کر اس مسئلہ کا تصفیہ نہیں کراتا بلکہ امام کو چھوڑ کر ایرے غیرے پنچ بنائے جاتے ہیں لہٰذا اس مشکل کے حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی تجویز کیا گیا کہ اصحاب ائمہ پر علم و یقین

حاصل کرنے کی فرضیت ہی سے انکار کر دیا جائے۔

ف:۔ ائمہ کے اصحاب بلا واسطہ امام سے علوم حاصل نہ کرتے تھے بلکہ ثقہ غیر ثقہ جو کوئی بھی ان کو مل جاتا اس سے احکام دین سیکھ لیتے تھے اور انکے لیے ائمہ کا حکم یہی تھا۔

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ امام معصوم زندہ موجود ہیں لوگ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں مگر اصحاب امام اس طرف رخ بھی نہیں کرتے اور ہر فاسق و فاجر سے جو انہیں مل جاتا ہے علم دین حاصل کر لیتے ہیں۔ کیا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بھی کوئی شیعہ ایسی مثال دکھلا سکتا ہے کہ انہوں نے باوجود قدرت کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی اور سے علم دین حاصل کیا ہو اور وہ بھی فاسق و فاجر سے۔

شیعہ ایسا کہنے پر مجبور ہیں اگر ایسا نہ کہیں تو اصحاب ائمہ کے باہمی اختلاف کا کیا جواب دے سکتے ہیں اگر اصحاب ائمہ کے جمیع علوم کا ائمہ سے ماخوذ ہونا تسلیم کر لیں تو پھر یہ عقدہ لاینحل ہو گا کہ ائمہ کی زندگی ہی میں ان میں باہم اس قدر شدید اور کثیر اختلاف کیوں تھا۔

ایک نفیس بات

ف(۳):۔ اصحاب ائمہ میں باہم لڑائی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی اور اس کی بنا محض نفسانیت پر ہوتی تھی اور آخری نوبت یہاں تک پہونچتی تھی کہ تمام عمر کے لیے آپس میں سلام و کلام ترک ہو جاتا تھا۔ تین تین اماموں کی صحبت سے مشرف ہوتے اور اس نزاعی مسالہ کا تصفیہ نہ ہوتا تھا نہ آپس میں صلح ہوتی

تھی۔ خیر یہ تو سب کچھ ہوتا تھا جو ہوتا تھا لائق عبرت بات یہ ہے کہ شیعہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کو اپنا پیشوا مانتے ہیں کسی ایک کی طرف ہو کر دوسرے کو بُرا نہیں کہتے بخلاف اس کے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں اگر باہم اس قسم کی کوئی بات پیش آئی ہے تو اس موقع پر شیعوں نے بات کا بتنگڑ بنانے میں اپنی ساری طاقت صرف کر دی ہے اور ایک فریق کا طرفدار بن کر دوسرے کو برا بھلا کہنا نہایت ضروری قرار دیدیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ناممکن بات ہے کہ کوئی شخص دونوں لڑنے والوں سے تعلق رکھ سکے۔ یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ شیعوں کی نظر میں اپنے خانہ ساز ائمہ کی صحبت کی تو عزت ہے مگر رسول کی صحبت کی کچھ بھی عزت نہیں کیا ایمان اسی کا نام ہے۔ استغفراللہ۔

دوسری نفیس بات

ف:۔ مولوی دلدار علی اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ اگر ہم علم و یقین کا حاصل کرنا فرض قرار دیں تو لازم آئیگا کہ امام باقر و صادق کے اصحاب نابکار اور دوزخی ہو جائیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شیعوں کے نزدیک امام باقر و امام صادق کے اصحاب کا دوزخی ہونا ایسا امر محال ہے کہ کسی طرح اس کو فرض بھی نہیں کر سکتے مگر سید الانبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلعم کے اصحاب کا دوزخی ہونا محال کیا معنی مستبعد بھی نہیں بلکہ ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ اے اہل اسلام خدا کے لیے انصاف کرو کہ کیا ایمان و اسلام کا تقاضا یہی ہے۔ مقام عبرت ہے کہ علم و یقین کے تحصیل کا باوجود قدرت کے فرض نہ ہونا کیسی خلاف عقل بات ہے جس کا نتیجہ یہاں تک پہونچتا ہے کہ ائمہ کا وجود ہی عبث اور بے کار ہو جائے مگر شیعوں نے اپنے خانہ ساز ائمہ کے اصحاب کے دوزخی مان لینے کے

مقابل میں اس خلاف عقل بات کو کس طرح قبول کر لیا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ان دس باتوں کو جو اوپر بیان ہوئیں

اچھی طرح ذہن نشین کر کے اپنی عقل سے اگر کوئی شخص کام لے گا تو یقیناً نہایت صحیح فیصلہ مذہب شیعہ کے متعلق کر سکے گا۔

یہ دس باتیں جو بیان ہوئیں ان میں مذہب شیعہ کی کسی خاص روایت پر گرفت نہیں ہے بلکہ پورے مذہب یا پورے فن روایت سے جو کچھ نتائج نکل سکتے ہیں وہی پیش کیے گئے ہیں۔

شیعوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا مذہب یعنی ان کے عقائد و اعمال ائمہ اہل بیت کے تعلیم کیے ہوئے ہیں لیکن ان دس باتوں کے ہوتے ہوئے دنیا کی کسی عدالت سے ان کو ڈگری نہیں مل سکتی۔ کسی انصاف کی کچہری میں ان کا یہ دعویٰ سچا نہیں سمجھا جا سکتا۔

ایک موٹی سی بات ہے اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ امام باقر و امام جعفر صادق یا دوسرے ائمہ کی بابت شیعہ سنی میں اختلاف ہے سنی ان کو اپنا ہم مذہب بیان کرتے ہیں شیعہ ان کو اپنا ہم مذہب کہتے ہیں۔ فریقین کے اس اختلاف کی بنیاد محض اپنے اپنے راویوں کے بیانات پر ہے ایک طرف شیعہ راوی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان ائمہ نے ہم کو مذہب شیعہ کی تعلیم دی ہے لیکن کوٹھری کے اندر تنہائی میں جہاں سوا ہمارے کوئی بھی نہ تھا ہم کسی کے سامنے ائمہ سے نہ اپنے بیان کی تصدیق کرا سکتے ہیں اور نہ اپنے

موافق کوئی گواہی پیش کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف سنی راوی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان ائمہ نے ہمکو مذہب اہل سنت کی تعلیم دی اور یہ تعلیم علانیہ مجمع عام میں بھی دی اور تنہائی میں بھی دی جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ چلے ہم ائمہ سے اپنے بیان کی تصدیق کرا سکتے ہیں نیز دوسری شہادتیں بھی پیش کر سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا موقع بھی پیش آیا کہ شیعہ راویوں کو امام کے سامنے جانا پڑا تو امام نے ان کی تکذیب کر دی اور سنیوں ہی کی تائید کی۔

پس اب خدا کے لیے بتاؤ کہ ایک تیسرا شخص ایماناً و انصافاً کس فریق کی بات پر اعتبار کر سکتا ہے کیا وہ شیعہ راویوں کو سچا جان خدا کی دی ہوئی نعمتِ عظمیٰ یعنی عقل کو معطل کر دینے کا مجرم بننا گوارہ کرے گا۔ یقیناً دنیا میں کوئی ایسا عقلمند نہ ملے گا جو ایسی حرکت کا مرتکب ہو۔

حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب کوئی شخص شیعوں کو یہ دعویٰ کرتے ہوئے سنتا ہے کہ ہمارا مذہب عقل کے مطابق ہے اور اس کے بعد مذہب شیعہ کی اس حقیقت سے واقف ہوتا ہے۔

بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ عقل کے اس قدر خلاف دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہو سکتا جس قدر کہ مذہب شیعہ ہے۔ بھلا کون ایسا ہو سکتا ہے جو مذہب کو ایک راز قرار دے اور گو اس راز کے نقل کرنے والے نہ اپنے موافق کوئی شہادت پیش کر سکیں نہ صاحب راز سے تصدیق کرا سکیں

اور گو اس راز کے خلاف علانیہ کی منقولات موجود ہوں تب بھی وہ اس راز کو مان لے۔ شیعہ ادھر ادھر کی باتوں پر تو تقریر تحریر کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی اس بنیاد مذہب پر غور کرنے کے لیے یا اس کا جواب دینے کے لیے کوئی شیعہ کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اس وقت دو پہلو ہمارے سامنے ہیں۔

اول یہ کہ شیعہ راویوں کو ہم مفتری و کذاب قرار دیں اور جس قدر تعلیمات مذہب شیعہ کی انہوں نے ائمہ کی طرف منسوب کی ہیں ان کو محض کذب و دروغ مانیں۔ اس صورت میں بھی مذہب شیعہ کا تمام گھروندا بگڑ جاتا ہے اس لیے کہ اس مذہب کی تمامتر بنیاد انہیں روایات پر ہے جو زرارہ ابوبصیر ابن ابی یعفور وغیرہم نے بیان فرمائی ہیں۔ اس مذہب کا ایک حرف بھی قرآن سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ قرآن شریف تو اس مذہب کی بیخ کنی کر رہا ہے بخلاف اہل سنت وجماعت کے کہ ان کے مذہب کا جزو اعظم یعنی عقائد کا حصہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے رہا جزو اصغر یعنی اعمال وہ البتہ روایات پر موقوف ہے لیکن اس میں بھی اکثر و بیشتر اعمال کا ثبوت روایات متواتر المعنی اور تعامل سے ہو جاتا ہے۔

دوم یہ کہ شیعہ راویوں کو ہم سچا جانیں اور جو کچھ انہوں نے ائمہ کے خلوت کدہ راز کی خفیہ تعلیمات کے متعلق بیان فرمایا ہے اس کو بے کم و کاست وحی آسمانی کے مانند واجب القبول قرار دیں۔ اس صورت میں خود ائمہ کا دین و مذہب اس قدر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ شیعوں کے اولین

و آخرین مل کر بھی نہیں بتا سکتے ہیں کہ ان ائمہ کا مذہب کیا تھا جب کسی شخص کی عادت یہ ہو کہ کسی خوف یا مصلحت سے اپنے مذہب کے متعلق مختلف لوگوں سے بیان کیا کرتا ہوں احیاناً و اتفاقاً نہیں بلکہ بکثرت روزمرہ اسکا یہی وتیرہ ہو اس کی بابت کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ اصلی مذہب اس شخص کا کیا تھا۔

ممکن ہے کہ ائمہ شیعوں سے ڈرتے رہے ہوں اور جب دیکھتے ہوں کہ اس وقت تنہائی ہے اور فقط شیعہ ہی میرے پاس ہیں اس وقت مارے خوف کے انہیں کے موافق باتیں ان سے کرتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ در اصل وہ عیسائی یا مجوسی ہوں یا اپنے آبا رسابقین کے مذہب بت پرستی پر ہوں لیکن دیکھتے تھے کہ ہر سمت میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اگر اپنے اصلی مذہب کا اظہار کریں تو جان کا خطرہ ہے اس لیے اپنے کو مسلم کہہ دیتے ہوں اور نماز روزہ کی پابندی کرتے ہوں۔

رہا یہ خیال کہ شیعوں سے ڈرنے کی وجہ اس زمانہ میں نہ تھی ڈر اور خوف ان لوگوں سے ہو سکتا ہے جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو اور یہ بات اس وقت اہل سنت میں تھی نہ شیعوں میں تو جواب اس کا یہ ہے کہ ڈر اور خوف کا صرف اہل حکومت کی طرف سے ہونا خلاف مشاہدہ ہے بسا اوقات غیر اہل حکومت سے اس قدر خوف ہوتا ہے کہ اہل حکومت سے نہیں ہو سکتا۔ حکومت والے جو کچھ کرتے ہیں کسی آئین و قانون کے ماتحت ہو کر کرتے ہیں اور غیر اہل حکومت جس قدر بدمعاشی کے افعال بے

قاعدہ وبے اصول کر بیٹھتے ہیں اہل حکومت کی طرف سے ان کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ خصوصًا جب کہ پے درپے ائمہ کا قتل ان کی توہین وتذلیل انہیں شیعوں کے ہاتھ سے وقوع میں آرہی تھی تو ان سے ائمہ کا ڈرنا بہت ہی قرین قیاس ہے

ائمہ کا مذہب اس تقیہ نے ایسا مشتبہ کر دیا ہے کہ اگر اسی ایک مسٔالہ پر کوئی شخص خالی الذہن ہو کر انصاف۔ کے ساتھ غور کرے تو اس پر مذہب شیعہ کا بطلان اظہر من الشمس ہوجائے۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وازاں جہت کہ امت متفق است براں کہ
امام حق بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
یکے ازیں دو کس بود پس می گوئیم کہ مرتضیٰ
امام نبود زیرا کہ متواتر شد کہ در ایام خلافت
خود مکرر گفت خیر ھٰذہ الامۃ
ابوبکر ثم عمر۔ وایں قول
او خالی از سہ احتمال نیست۔ قلبٌ
او بازبان او موافق بود دریں قول وھو
الحق وبہ یثبت المطلوب
یا مؤید السنت خلاف اولیکن بغیر
ضرورت وبغیر تقیہ باجمعے ایں سخن گفت

اور اس طریقہ سے کہ تمام امت کا اس بات
پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے بعد امام برحق یا حضرت صدیق
تھے یا حضرت مرتضیٰ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ
حضرت مرتضیٰ امام نہ تھے کیونکہ یہ بات
بتواتر ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی
خلافت کے زمانے میں بار بار فرمایا
کہ اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر
ہیں اور ان کے بعد عمر۔ حضرت علی کا یہ
قول تین احتمال سے خالی نہیں ہے
ایک یہ کہ اس قول میں ان کا دل زبان

وباجمعے خلاف ایں پس مدلس وخائن
وامعہ باشد و مدلس وخائن وامعہ
لائق امامت نہ باشد۔ یا تقیہ بود
وتقیہ در خلاف وجہے ندارد ومعہٰذا
اگر اکراہے بودہ است می بایست
کہ بر قدر اکراہ اکتفا میکردند چند
مبالغہ نمی نمود۔ واگر تقیہ باوجود
خلافت وشجاعت وشوکت وقیام
بقتال جمیع اہل ارض جائز باشد
می تواں گفت کہ باجمعے کہ با شیخین بد
می بودند درخفیہ بنا بر تقیہ انکار شیخین
می نمود پس کلام خیر الامۃ متحقق است
وخلاف او تقیہ وے تواں گفت
کہ اظہار اسلام ونماز پنجگانہ خواندن
واز دوزخ ترسیدن ہمہ بنا بر
تقیہ مسلمین بود وشک نیست تنفر
قوم بترک اسلام اشد بود از
تنفر بسبب انکار شیخین پس امن
از اسلام او برخاست چہ جائے

کے موافق تھا اور یہی حق ہے اور اسی سے
ہمارا مقصود ثابت ہوتا ہے دوسرے
یہ کہ حضرت علی کا عقیدہ اس کے خلاف
تھا مگر وہ بغیر ضرورت کے اور بغیر تقیہ کے
کسی جماعت سے یہ بات کہتے تھے اور
کسی جماعت سے اس کے خلاف کہتے
تھے۔ اس صورت میں حضرت علی کا فریبی
اور خائن اور ضعیف الرائی ہونا لازم آئے
گا اور ایسا شخص امامت کے لائق نہیں
ہوسکتا۔ تیسرے یہ کہ حضرت علی کا یہ
قول تقیہ کی حالت میں تھا مگر تقیہ اپنی
خلافت کے زمانہ میں محض بے وجہ ہے
اور بایں ہمہ اگر کوئی مجبوری تھی تو چاہیے
تھا کہ جس قدر مجبوری تھی اسی کے مطابق
شیخین کی تعریف کر دیتے اس قدر مبالغہ
نہ کرتے۔ اور اگر باوجود خلیفہ ہونے شجاع
ہونے اور صاحب شوکت ہونے اور تمام اہل
ملک سے لڑائی کے لیے آمادہ ہونے
کے بھی تقیہ جائز ہو تو کہا جاسکتا ہے

امامت وایں ہمہ بقبا حاتے میکشد کہ ہیچ مسلمانے خیال آں نمی تواند کرد۔ پس ثابت شد کہ خلافت حق صدیق بود وبعد ازاں حق فاروق بہ ہمیں دلیل بعینہ۔ (ازالۃ الخفاء مقصد اول ص۲۸۲)

کہ جو لوگ شیخین کے دشمن تھے تنہائی میں حضرت علی ان سے ڈر کر بطور تقیہ شیخین کا انکار کر دیتے تھے پس شیخین کی تعریف جو انہوں نے کی ان کا اصلی عقیدہ وہی ہے اور اس کے خلاف جو کچھ کہا وہ تقیہ ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا ظاہر کرنا اور پنجگانہ نماز پڑھنا اور دوزخ سے ڈرنا یہ سب ۔ باتیں مسلمانوں سے تقیہ کی بنا پر ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ لوگوں کو جو نفرت ترک اسلام سے ہوتی ہے وہ شیخین کے انکار کی نفرت سے زیادہ سخت ہوتی۔ پس حضرت علی کے ایمان کا اعتبار نہ رہا امامت کا کیا ذکر۔ اور یہ سب باتیں ایسے برے نتائج تک پہنچاتی ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا خیال بھی نہیں کر سکتا پس ثابت ہو گیا کہ خلافت حضرت صدیق کا حق تھی اور ان کے بعد حضرت فاروق کی حق تھی بعینہ اسی دلیل سے۔

یہ جو کچھ نتائج تقیہ کے بیان کیے گئے ان کو ائمہ تک پہونچا کر اس لیے ختم کر دیا گیا کہ شیعوں کا دعویٰ بھی انھیں کی طرف انتساب کا ہے اور اسی وجہ سے اپنے کو امامیہ کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ ان کو نہیں ہے ان کی کتابوں میں کہیں شاذ و نادر ہی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ملتی ہے ورنہ یہی تقریر رسول کے متعلق بھی ہو سکتی ہے۔

تقیہ کے ایجاد کرنے سے مذہب شیعہ کے خوش مزاج مصنفوں کا مقصود تو یہ تھا کہ جس مذہب کو وہ ائمہ کے نام سے رواج دینا چاہتے تھے ائمہ کے جو اقوال یا افعال یا احوال کھلم کھلا اس مذہب کے خلاف ہیں اور وہ حد تواتر کو پہونچ گئے ہیں ان کا انکار بھی نہیں ہو سکتا اور کوئی تاویل بھی ان کی نہیں ہو سکتی ان کا جواب دیا جائے مثلاً حضرت علی مرتضیٰ کا تینوں خلفائے کے ہاتھ پر بیعت کرنا پانچوں وقت ان کے پیچھے نماز پڑھنا اپنے زمانہ خلافت میں بھی ان کی بے حد تعریف کرنا۔ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا کی لخت جگر ام کلثوم کا حضرت فاروق کے نکاح میں دینا وغیرہ وغیرہ مگر ان کی بد قسمتی کہ تقیہ نے اس مشکل کو تو حل کیا یا نہ کیا دوسرے مشکلات میں ان کو ایسا پھنسا دیا کہ اب رہائی نا ممکن ہے۔

شیعوں کے لیے یہ آسانی تو خوب پیدا ہو گئی اور اس پر وہ بہت نازاں ہیں کہ جہاں کسی عالم اہل سنت نے ان کی معتبر کتابوں سے کوئی قول یا فعل حضرت علی مرتضیٰ کا یا کسی امام کا مذہب شیعہ کے خلاف پیش کیا تو فوراً کہدیا کہ یہ تقیہ ہے۔

علامہ ابن روزبہان نے جب کتاب ابطال الباطل میں فرمایا کہ "متعہ اگر حلال تھا اور حضرت عمر نے اپنی رائے سے اسکو حرام کر دیا تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں کیوں اس کے حلال ہونے کا اعلان نہ فرمایا" تو اس کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں بے تامل یہی تقیہ کا عذر پیش کر دیا۔ مصنف تحفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب نہج البلاغۃ سے حضرت

علی کے وہ خطبے اور فرامین پیش کیے جن میں حضرات خلفائے ثلاثہ کی تعریف ہے تو شیعوں کے سلطان العلماء مولوی سید محمد مجتہد نے بڑی صفائی کے ساتھ یہی تقیہ کا گیت گایا۔ بوارق میں فرمایا ہیں کہ اگر جناب امیر علیہ السلام حضرت معاویہ کے خط میں ایسے مضامین نہ لکھتے تو آپ کے ساتھی آپ کو سرنگوں کر دیتے کتب شیعہ میں زیادہ تر اقوال امام باقر و امام جعفر صادق کے ملتے ہیں۔ شیعوں کا بیان ہے کہ ان دونوں اماموں نے مذہب شیعہ کی علانیہ تعلیم دی اور ان کے نام جو صحیفہ خدا کی طرف سے آیا تھا اس میں حکم تھا کہ تم تقیہ نہ کرو اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ مگر عجب تماشا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں اور دوسری طرف یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ان دونوں اماموں کے اقوال جس قدر تقیہ پر محمول کیے گئے ہیں کسی دوسرے امام کے اس قدر نہیں۔ مولوی حامد حسین استقصار الافحام میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں اماموں کے صحیفہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تقیہ بالکل نہ کرو بلکہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بنسبت دوسرے ائمہ کے تقیہ کم کرو۔

المختصر یہ تقیہ ہر آڑے وقت میں کام آتا ہے اور ہر لاینحل مشکل کو حل کر دیتا ہے لیکن جب آخری نتیجہ پر پہونچے اور پوچھا گیا کہ حضرت آپ کے ان ائمہ کا مذہب کیا تھا۔ جب ان کی حالت یہ تھی کہ سنیوں کے سامنے سنی اور شیعوں کے سامنے شیعہ۔ تو یہ پتہ کیسے چلے کہ ان کا اصلی اعتقاد کیا تھا بس اس سوال کو سن کر بڑے سے بڑے حیا کے دشمن کے بھی حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت فبہت الذی کفر کا نقشہ پیش نظر

ہو جاتا ہے۔

مجھے خیال نہیں ہوتا کہ علمائے شیعہ میں کسی نے اس مشکل کی عقدہ کشائی پر توجہ کی ہو۔ لیکن غالباً مولوی حامد حسین کو حضرت مولینا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولینا حیدر علی مصنف منتہی الکلام رحمۃ اللہ علیہما کی تحریرات نے خواہ مخواہ اس وادی کھینچا۔ چنانچہ استقصار الافحام میں لکھتے ہین کہ۔

اعلام اہل حق تصریحات صریحہ فرمودہ اند بایں کہ ائمہ علیہم السلام در ہر امر یکہ تقیہ کردہ اند مسبوق بود باظہار حق یعنی اولاً امر حق را ظاہر می کردند تا حجت تمام شود بعد آں بنا بر رعایت مصالح تقیہ می فرمودند۔

علمائے شیعہ نے صاف صاف تصریح اس بات کی کی ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے جس معاملہ میں تقیہ کیا ہو وہ تقیہ اظہار حق کے بعد تھا یعنی پہلے وہ امر حق کو ظاہر کر دیتے تھے تاکہ حجت پوری ہو جائے بعد اس کے مصلحتوں کے رعایت کر کے تقیہ فرماتے تھے۔

مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کے تقیہ کرنے سے ائمہ کا اصلی مذہب مشتبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ائمہ جس مسئلہ میں تقیہ کرتے تھے اس میں پہلے وہ اظہار حق کر دیتے تھے۔

اول تو اس جواب سے وہ شبہ کیسے رفع ہوا۔ اس کو مولوی حامد حسین صاحب یا ان کے معتقدین ہی سمجھ سکتے ہیں اور تو دنیا میں کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اچھا مان لیا کہ پہلے وہ اپنا اصلی مذہب بیان کر دیتے تھے اس کے بعد تقیہ کرتے تھے تو اس سے کیا ہوا۔ کیا پہلے سچ بول کر

اس کے بعد جھوٹ بول کر سے پہلا سچ مشتبہ نہیں ہو جاتا۔

دوسرے یہ مولوی حامد حسین کا ایک بے دلیل دعویٰ ہے کہ ہر معاملہ میں ائمہ پہلے اظہار حق کر دیا کرتے تھے اگر اس کا ثبوت ان سے مانگا جائے تو وہ کیا ساری دنیا کے شیعہ نہیں دے سکتے کیا وہ جن جن امور میں ائمہ نے تقیہ کیا ہے ان کی تاریخ شیعوں کے پاس ہے اور پھر اس اظہار حق کی بھی تاریخ موجود ہے۔

مولوی حامد حسین کی پوری طولانی عبارت مناظرہ حصہ چہارم میں نقل کر کے میں نے حسب ذیل جواب دیا تھا جس کا کوئی جواب الجواب آج تک نہیں ہوا۔ وہو ہٰذا۔

مولوی حامد حسین ایک آرزوئے محال کے حاصل کرنے میں کوشاں ہیں جس کا نتیجہ سوا ملال و اضمحلال کے کچھ نہیں تقیہ کی بدولت جو اشکال احادیث مذہب شیعہ پر وارد ہوتا ہے اس کا اندفاع ناممکن ہے۔ مولوی صاحب نے جو فرمایا کہ ائمہ پہلے اظہار حق کر دیتے تھے اس کے بعد تقیہ کرتے تھے یعنی تقیہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اظہار حق کے بعد ہوگا۔ اس پر چند شبہات وارد ہوتے ہیں اگر کوئی شیعہ ان شبہات کو دفع کر دے تو ہم کو اس کے مان لینے میں کچھ تامل نہ ہوگا وہ شبہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) جن لوگوں کو ائمہ سے ایسے وقت میں ملنے اتفاق ہوا وہ ازروئے تقیہ حدیث بیان فرما رہے تھے اور اس سے پیشتر انہوں نے کوئی حدیث

ائمہ کی زبان سے نہ سنی تھی وہ لوگ اس وقت کی احادیث کو کس دلیل سے تقیہ پر محمول کریں گے بسا اوقات تقیہ کے اسباب و دواعی معنوی ہوتے ہیں سوا صاحب ضرورت کے دوسرے کو ان پر اطلاع نہیں ہوتی۔

(۲) فی زمانہ جن جن احادیث کو محدثین شیعہ تقیہ پر محمول کرتے ہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ حدیثیں بعد کی ہیں اور جن حدیثوں کو بغیر تقیہ کہتے ہیں وہ پہلے کی ہیں۔ ممکن ہے کہ امر بالعکس ہوا۔

(۳) کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ امام کو کسی مسئلہ کے بیان کرنے کا موقع اولاً بحالت تقیہ ملے اور اس وقت تک اس مسئلہ میں اظہار حق کی نوبت نہ آئی ہو۔

(۴) تقیہ کی پہچان اگر آسان ہے تو مولوی دلدار علی صاحب اساس الاصول میں یہ کیوں فرماتے ہیں کہ امتیاز المناشی بعضها عن بعض فی باب کل حدیثین مختلفین بحیث یحصل العلم او الیقین بتعیین المنشاء عسیر جدا او فوق الطاقة یعنی تقیہ وغیرہ اسباب اختلاف احادیث کی تمیز ایک دوسرے سے ہر دو مختلف حدیثوں میں اس طرح کہ تعیین منشا کا علم و یقین حاصل ہو جائے سخت مشکل اور طاقت سے باہر ہے۔

(۵) ائمہ نے ایک مسئلہ کے متعلق ایک حکم بتا دیا پھر اسی مسئلہ کے متعلق کئی حکم اور بتائے جو حکم اول کے بھی مخالف اور باہم بھی مخالف ایسی صورت اکثر واقع بھی ہوئی ہے چنانچہ اصول کافی وغیرہ سے ہم نقل کر چکے ہیں

اس صورت میں کس حکم کو تقیہ پر محمول کریں گے اور اس کے محمول کرنیکی کیا وجہ ہوگی۔

اسی قسم کے اور شبہات بھی وارد ہوتے ہیں بنظر اختصار انکو ذکر نہیں کیا جاتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقیہ کے سبب سے خلاف حق کہنے کا جو الزام ائمہ کے ذمہ تھا وہ بھی بدستور قائم رہتا ہے اور ائمہ کے اقوال میں جو بے اعتباری پیدا ہوتی تھی وہ بھی علیٰ حالہ باقی رہتی ہے۔

معلوم نہیں مولوی حامد حسین صاحب نے اس مضمون کے لکھدینے میں کہ ائمہ کا تقیہ اظہار حق کے بعد ہوتا تھا کیا نفع سوچا ہے۔ کیا ایک مرتبہ سچ بول دینے کے بعد برابر جھوٹ بولتے رہنا گناہ نہیں ہے۔ یا ایک مرتبہ سچ بول دینے کے بعد پھر جھوٹ بولنے میں امر حق کے اشتباہ کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

المختصر شیعوں کی جان عجب ضیق میں اگر وہ اپنی روایات کو جھوٹا مانتے ہیں تو مذہب تشریف لے گیا اور گر روایات کو سچا مانتے ہیں تو ائمہ کا دین مشتبہ ہوگیا پھر بھی مذہب تشریف لے گیا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ وھو ارحم الراحمین۔

مصادر و مراجع

اصول کافی ۔ مطبوعہ نول کشور ۔ لکھنوٴ
فروع کافی " " "
روضہ کافی " " "
اساس الاصول مطبع محمدیہ
استبصار مطبع جعفریہ
من لایحضرہ الفقیہہ
نہج البلاغۃ
بوارق الغیب
صافی شرح کافی
حیات القلوب
فرائد الاصول مطبوعہ ایران
استقصار الافحام
ازالۃ الخفاء ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

سیرت خلفائے راشدینؓ

انگریزی و ہندی ایڈیشن

حضرات خلفائے راشدینؓ کے فضائل و مناقب کا نہایت جامع تذکرہ اور ان کی سیرت کا مکمل خلاصہ ایسے عام فہم انداز سے کیا گیا ہے جس میں اہلسنت و جماعت کے مذہب کی بھرپور وکالت اور نمائندگی، خلفائے راشدینؓ پر کیے گئے اعتراضات کا مسکت جواب اور شیعوں کی طرف سے کیے گئے حملوں کا مکمّل دفاع موجود ہے۔ کتاب کے شروع میں مسلمانوں کے ضروری عقائد کا بیان ہے جو ایک مفید اور کارآمد مقدمہ ہے۔

اس کتاب کے اب تک بیسیوں ایڈیشن چھپ چکے ہیں جو مقبول عام ہو کر ہند اور بیرونِ ہند کے مختلف مدارس میں داخلِ نصاب بھی ہے۔ اس معرکۃ الآرا کتاب کا انگریزی اور ہندی ایڈیشن بہت جلد چھپ کر ان شاء اللہ منظرِ عام پر آ رہا ہے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ فاروقیہ ٥٠/٢٢ دریائی ٹولہ لکھنؤ